

3

بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

لکھنؤ

ماہنامہ

جلد نمبر ۶۳

شمارہ نمبر ۹

ستمبر ۲۰۱۹ء  
September 2019

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان : ۳۰۰ روپے  
غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۳۰ امریکی ڈالر  
فی شمارہ : ۳۰ روپے  
لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرنے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پھٹی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہونے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (نمبر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی عائشہ حسنی  
جعفر مسعود حسنی محمود حسن حسنی

ذراعت پور RIZWAN MONTHLY لکھنؤ

ذرا تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin: 226018- Mobile: 9415911511

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی اہمیت پر لیس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

کہڈنگ: ناشر کمپیوٹر لکھنؤ فون: 9792913331

# فہرست مضامین



- 5 ..... اپنی بہنوں سے مدد
- 6 ..... حدیث کی روشنی میں امد اللہ تسنیم
- 8 ..... عبادت گاہوں کا احترام اور اسلام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
- 11 ..... سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولانا سید نظام حسین شاہ کاظمی
- 14 ..... عقیدہ توخید اور انسانی زندگی علامہ یوسف القرضاوی
- 18 ..... مناجات مفتی محمد تقی عثمانی
- 19 ..... نماز مومن کی معراج مولانا محمد مجیب الدین قاسمی
- 24 ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب محمد بشیر نذیر
- 25 ..... منہ سے والدین کی توہین کا ایک لفظ نہ نکالنا قاضی محمد عبدالحی قاسمی
- 28 ..... اصلاح معاشرہ: ایک درد سادل میں اٹھتا ہے سیدہ مہر افشاں
- 30 ..... پیرامت روایات میں کھو گئی اختر شریف
- 32 ..... موت کے سامنے کسی کا چارہ نہیں چلنا
- 33 ..... جو آپ نے چاہا وہ نہیں ہوا تو وہ چاہئے جو ہو رہا ہے
- 34 ..... شیخ قطب الدین بختیار کاکی مولانا سعید الرحمن اعظمی
- 37 ..... میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟
- 40 ..... سوال و جواب مفتی راشد حسین ندوی
- 42-41 ..... آخری صفحہ مولانا قمر الزماں ندوی



# اپنی بہنوں سے

اللہ تعالیٰ کے گھر کا حج کر کے حاجی بہن بھائی اپنے گھروں کو واپس آرہے ہوں، گناہوں اور خطاؤں سے پاک صاف ہو کر دھلے دھلائے گھر پہنچیں گے۔ اتنی بڑی نعمت جو اللہ کے فضل و کرم سے حاصل ہوئی ہے اس کا شکر ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔ جن بندوں اور بندویوں کو یہ نعمت حاصل ہوئی ہے ان کو چاہئے کہ اس نعمت کا بھی شکر ادا کریں اور وہ شکر یہ ہے کہ اپنی زندگی کو شریعت کے سانچے میں ڈھال لیں اور تمام معاملات میں شریعت کے احکام پر عمل کریں اور ایک ایک سنت پر عمل کریں۔ ہر قسم کے گناہوں سے بچیں جب بھی کوئی شخص دھلے کپڑے پہنتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اس کے کپڑے پر کوئی دھبہ نہ لگنے پائے تو جب دھلے کپڑوں کا یہ خیال ہوتا ہے تو جب انسان کی روح اور نفس پاک و صاف ہو جائے تو اس کو ناپاکی اور گندگی سے بچانے کے لئے مسلسل کوشش کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کوشش اور جدوجہد پوری زندگی کرنا ہوگی۔ تاکہ ہماری آئندہ زندگی اللہ کی اطاعت میں گزرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور سنت پر عمل کرنے میں بسر ہو۔

اگر ہم نیک عمل کریں گے توجج کے جو فائدے ہم کو حاصل ہوئے ہیں وہ تاحیات باقی رہیں گے اور ہماری زندگی میں اسلامی برکتیں پیوست ہو جائیں گی، جس کا فائدہ ہم کو موجودہ زندگی میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی فلاح اور کامیابی ہمارے حصہ میں آئے گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہم کو نصیب ہوگی۔

ہم اپنے حاجی بہن بھائیوں کو اس مبارک سفر کی مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سفر حج کو قبول فرمائے اور اس کی برکتیں ان کو اور سب مسلمان بہن بھائیوں کو نصیب فرمائے۔ اور سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین



امۃ اللہ التسنیم

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ایسی جرات نہیں کر سکتا۔ مروان نے کہا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص بالشت بھر زمین بھی ظلماً دبا لے گا۔ اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

مروان نے کہا واللہ میں اس کے سننے کے بعد اب تم سے کوئی سوال نہیں کر سکتا۔ حضرت سعیدؓ نے کہا اے اللہ اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کر دے اور اس کی زمین پر اس کو موت دے۔ حضرت عروہ کہتے ہیں کہ وہ عورت اندھی ہوگئی، ایک دن اپنی اسی زمین پر چل پھر رہی تھی اتفاق سے ایک گڑھے میں پاؤں پڑا، بس گری اور ختم ہوگئی۔ (بخاری، مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں محمد بن زید بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس کو اندھا دیکھا اور وہ ٹولتی ہوئی چلتی تھی اور کہتی تھی مجھے سعیدؓ کی بددعا لگ گئی اور اس کی زمین میں جس کے بارے میں وہ جھگڑی تھی ایک کنواں تھا اسی میں گر پڑی وہی کنواں اس کی قبر تھی۔

غیبی مشعلیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو صحابی (بعضوں کا خیال ہے کہ وہ اسید بن خضیر اور عباد بن بشر تھے) اندھیری رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے اور دونوں کے آگے دو دو مشعلیں تھیں، پھر وہ دونوں الگ الگ ہو گئے اور وہ دونوں مشعلیں بھی الگ الگ ہو کر ایک ایک

## اللہ والوں کی کرامت اور فضیلت کا بیان

تم کو پورا حال بتاتے ہیں۔ سنو سعدؓ کی یہ حالت ہے نہ تو کسی فوج کے ساتھ جاتے ہیں نہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں، نہ عدل کے ساتھ تقسیم کرتے ہیں۔ حضرت سعیدؓ نے کہا واللہ میں بھی تین دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے دکھانے اور سنانے کو کھڑا ہوا ہے (یعنی شہرت طلبی کیلئے) تو اس کی عمر لا نبی کر، اس کے فقر کو دراز کر، اس کو فتنہ میں ڈال۔ اس کے بعد جب کوئی اس سے ملتا اور پوچھتا تو وہ کہتا مجھے سعدؓ کی بددعا لگ گئی۔ عبد الملک بن عمیر جو جابر بن سمرہ سے راوی ہیں وہ کہتے ہیں میں نے اس واقعہ کے بعد اس کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی پلکیں بھی جھڑ گئی تھیں اور وہ راستہ میں لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتا تھا۔

(بخاری۔ مسلم)

حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ سعید بن زید سے اروئی بنت اوس نے مروان بن حکم کے دربار میں جھگڑا کیا اور دعویٰ کیا کہ سعیدؓ نے میری کچھ زمین دبا لی ہے۔ حضرت سعیدؓ نے کہا کہ بھلا میں اس کی زمین لوں گا۔ جب سے میں نے رسول اللہ

مستجاب الدعوات

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ اہل کوفہ نے حضرت عمرؓ کے پاس اپنے حاکم سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی کہ وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، حضرت عمرؓ سے ان کی معذوری کرے حضرت عمارؓ گوان کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پاس آدی بھیجا اور کہا اے ابواسحاق یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ تم نماز ٹھیک سے نہیں پڑھتے۔ انہوں نے کہا واللہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھتا ہوں، کوئی چیز مجھ سے نہیں چھوٹی، میں پہلے دو دو رکعتیں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہوں، اور آخر کی دو رکعتیں ہلکی کر دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا مجھے تم سے یہی امید تھی، پھر ان کے ساتھ (یعنی عمارؓ) کئی مردوں کو کوفہ والوں سے حال دریافت کرنے کے لئے کوفہ بھیجا۔ ان لوگوں نے کوفہ کی ہر مسجد میں حال دریافت کیا لیکن ہر شخص نے حضرت سعیدؓ کی تعریف کی، بھر بھی عیس کی مسجد میں پہنچے تو وہاں ایک شخص جس کا نام اسامہ بن ابوقحادہ اور کنیت ابوسعہ تھی، کھڑا ہو گیا اور کہا جب تم قسم دے کر پوچھتے ہو تو ہم

کے ساتھ ہو گئیں، یہاں تک کہ وہ گھر پہنچ گئے۔ (بخاری)

**حضرت خبیب اور حضرت عاصمؓ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمی جاسوس بھیجے اور ان پر عاصم بن ثابت انصاری کو امیر مقرر کیا۔ یہ لوگ مقام ہدایہ (یہ مکہ اور عسفان کے درمیان ہے جو مکہ سے دو منزل پر ہے) پر پہنچے، بنی لیحان کو خبر ہو گئی، تقریباً سو آدمی تیر انداز ان کی تلاش میں متفرق ہو کر نکل پڑے اور نشان قدم دیکھتے ہوئے چلے، جب حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں کو معلوم ہوا تو ایک جگہ محصور ہو گئے اور ان کو لوگوں نے گھیر لیا اور کہا تم اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دو اور آتر آؤ ہم تم سے عہد کرتے ہیں کہ ہم تم کو قتل نہ کریں گے حضرت عاصم نے کہا اے قوم میں کافر کی ذمہ داری پر نہ آتوں گا اور کہا یا اللہ اپنے نبی کو ہمارے حال سے مطلع فرمادے، پھر ان پر تیروں کی بارش ہونے لگی اور حضرت عاصم شہید ہو گئے اور خبیب اور زید بن دجنہ اور ایک شخص ان کے عہد و پیمان پر نکل آئے۔ جب یہ تینوں حضرات ان کے قابو میں آ گئے تو تینوں کی مشکلیں کس لیں اور اپنی کمانوں کی زرہ کھول دی تو اس تیسرے شخص نے کہا یہ پہلی بد عہدی ہے واللہ میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا۔ میرے لئے ان شہیدوں کی

تقلید اچھی ہے میں ان کی اقتدار کروں گا، کافروں نے ان کو بزور کھینچا لیکن انہوں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کھائی تو کافروں نے ان کو بھی شہید کر دیا، اور ان دونوں کو لے کر چلے گئے۔ مکہ پہنچ کر مکہ والوں (مکہ والوں) نے اس لئے خریدا کہ اپنے ان مقتولوں کے بدلہ میں جو بدر میں مارے گئے تھے ان کو قتل کر کے اپنے دل کی لگی بھجائیں) کے ہاتھ ان کو فروخت کر ڈالا۔ (یہ جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے) حارث کے بیٹوں نے حضرت خبیب کو خریدا تاکہ اپنے باپ کا بدلہ لیں جس کو حضرت خبیب نے بدر میں قتل کیا تھا حضرت خبیب کچھ عرصہ تک قید رہے، پھر سب نے ان کو شہید کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت خبیب نے ایک دن حارث کی لڑکی سے آسترہ مانگا، اس نے دے دیا، اس عورت کا ایک چھوٹا سا بچہ ماں کی غفلت میں حضرت خبیب کے پاس آ گیا۔

حضرت خبیب نے اس کو اپنے زانوں پر بٹھالیا اور آسترہ ان کے ہاتھ میں تھا، جب اس عورت کو معلوم ہوا تو وہ بہت بے چین ہوئی حضرت خبیب نے اس کو بے چین دیکھ کر کہا تم ڈرتی ہو کہ میں اس کو قتل کر دوں گا، نہیں میں ہرگز ایسا نہ کروں گا، وہی عورت کہتی ہے کہ خدا کی قسم میں نے خبیب سے بہتر قیدی کبھی نہیں دیکھا اور واللہ میں نے ایک دن دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں انگور کا خوشہ ہے اور وہ اس کو کھا رہے ہیں اور وہ زنجیر میں قید تھے اور مکہ میں اس وقت کوئی

میوہ نہ تھا، وہی کہتی ہیں کہ یہ رزق اللہ کی طرف سے خبیب کو عطا ہوا تھا، بھروسہ لوگ ان کو شہید کرنے دور حرم سے باہر لے گئے تو حضرت خبیب نے کہا مجھے اتنی دیر کے لئے چھوڑ دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں تو انہوں نے چھوڑ دیا۔ حضرت خبیب نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر کہا واللہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم گمان کرو گے کہ موت کے ڈر کی وجہ سے نماز میں دیر کر رہے ہیں تو میں دیر تک اطمینان سے پڑھتا۔ پھر دعا کی اے اللہ ان کو گن گن کر مارا اور کسی کو نہ چھوڑ۔ پھر یہ شعر پڑھے۔

فلسفت ابالی حین اقتل مسلما  
علی ای جنب کان لله مصرعی  
وذلك فی ذات الاله و ان یشا  
تبارک علی اوصال شلو معزع  
حضرت خبیب نے شہادت کے وقت دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت نکالی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ان لوگوں کے شہادت کی اطلاع دی۔

جب قریش کو حضرت عاصم بن ثابت کے قتل ہونے کی خبر ملی تو کچھ لوگوں کو بھیجا کہ ان کا مثلہ کر کے لاؤ، کیونکہ عاصم نے ان کے کسی بڑے شخص کو قتل کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی حفاظت فرمائی، شہد کی کہیاں ابر کی مانند ان کے گرد جمع ہو گئیں۔

کافروں کی جرأت ان کے پاس آنے تک کی نہ ہوئی مثلاً کرنا تو بڑی بات ہے، غرض وہ لوگ ناکام پلٹ گئے۔ (بخاری)

○○○

## عبادت گاہوں کا احترام اور اسلام

ناقوس کیوں بجائے جاتے ہیں؟ یہود اپنی عبادت گاہوں میں گھنٹے کے بل کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟ مسجدوں میں اذانیں کس کی طرف پکارنے کے لئے دی جاتی ہیں؟ یہ سب خدا کی محبت اور اس کی چاہت کے مظاہر ہیں، یہ اور بات ہے کہ اکثر قوموں نے خدا کی حقیقی پہچان کو کھو دیا ہے اور انہوں نے منزل کے بجائے راستہ اور خالق کے بجائے مخلوق ہی کو اپنا کعبہ مقصود بنا لیا ہے، پیغمبر اسلام دنیا میں اسی لئے تشریف لائے کہ انسانیت کو اس کے حقیقی خالق و مالک کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور زندگی کے صحیح طریقوں کے ساتھ ساتھ خدا کی بندگی کا صحیح طریقہ انسان کو بتایا جائے، لیکن بہر حال مختلف قوموں میں عبادت کے جو طریقے مروج ہیں، وہ درحقیقت انسان کی فطرت میں چھپی ہوئی آواز ہے، خدا کی محبت، خدا کی چاہت، خدا کو پانے کا شوق، خدا کو اپنے آپ سے راضی کرنے کا جذبہ، خدا کی چوٹ پر اپنی پیشانی کو چھانا اور اس کے حضور اپنی ضرورت و احتیاج کے ہاتھ اٹھانا، مانگنا، رونا اور گڑگڑانا، یہ سب انسانی فطرت کا حصہ ہے اور یہ بجائے خود خدا کے وجود کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

خدا ہر جگہ ہے اور تہہ تہہ پر اس کی حکمرانی ہے، لیکن خدا کی جو عظمت اور جلالت شان انسان کے قلب و ذہن میں رچی بسی ہے، اس کے تقاضا سے آدی چاہتا ہے کہ خدا کی بندگی اور اس سے سرگوشی کے

کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے، یہ کسی خاص مذہب کی عبادت گاہ کو درست کرنے کا کام کیسے کر سکتا ہے؟ یعنی حکومت مسجدوں کی حفاظت میں کوتاہی تو کر سکتی ہے، اس سے ملک کا سیکولر متاثر نہیں ہوگا، لیکن اگر اپنی کوتاہی کی تلافی کے طور پر ان کی مرمت کر دے تو سیکولرزم کی عمارت زمیں بوس ہو کر رہ جائے گی، اسلام کا تصور اس سلسلہ میں بالکل صحیح ہے کہ عقیدہ کے اختلاف کے باوجود ضروری ہے کہ دوسروں کی دل آزاری سے اور ان کے مقدس مقامات کو نقصان پہنچانے سے بچا جائے۔

خدا کی پہچان اور اس کی محبت انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے، موحد ہو یا مشرک، خدا کی صحیح پہچان رکھتا ہو یا حقیقی معرفت سے بے بہرہ ہو، خالق کا پرستار ہو یا خالق کو مخلوق کے قالب میں تلاش کرتا ہو اور شجر و حجر، آگ پانی کی پوجا کرتا ہو، اس کی تہہ میں خدا کی محبت ہی کا فرما ہے، آتش پرست آتش کدے کیوں سلگاتے ہیں؟ انسان اپنے ہاتھوں سے رنگ برنگ کی خوبصورت مورتیاں کیوں بناتا ہے؟ گر جاگھروں میں

نیوزی لینڈ میں مورخہ ۱۵ مارچ ۲۰۱۹ء کو مسجد کے اندر نمازیوں پر حملہ کا جو واقعہ پیش آیا، اس سے نہ صرف پوری دنیا کے مسلمان تڑپ اٹھے بلکہ اس واقعہ نے ہر انصاف پسند انسان کو ہلا کر رکھ دیا، کیونکہ یہ نہ صرف اجتماعی قتل کا واقعہ ہے، بلکہ یہ واقعہ اللہ کے گھر میں پیش آیا ہے، جو جانی نقصان ہوا وہ تو ہوا ہی، لیکن اس کے علاوہ مذہبی مقام سے نفرت کا اظہار بھی ہوا، جو بے حد افسوسناک ہے، اس واقعہ پر نیوزی لینڈ کی حکومت نے جس قدر جلد اور جتنا موثر قدم اٹھایا، اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، برطانیہ، کناڈا، سلامتی کونسل اور یورپی یونین نے بھی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں سے بیچیتی کا اظہار کیا، یہاں تک کہ ٹرمپ جیسے شدت پسند فرما نرو کو بھی اس واقعہ کی مذمت کئے بغیر چارہ نہیں رہا، اس موقع پر ہمارے وطن عزیز ہندوستان کی موجودہ حکومت کی ڈھٹائی بھی ذہن میں تازہ ہوگی کہ جب عدالت نے ہجرات فساد ۲۰۰۲ء میں شہید ہونے والی مسجدوں کی مرمت کا حکم دیا تو وزیراعظم مودی نے کہا

لئے پاک صاف جگہ ہو، جہاں سکون ہو، جہاں انسان کی روحانیت مادی آلائشوں سے آزارہ سکے اور وہ گھڑی چند گھڑی خدا کے حضور یکسو ہو سکے، اسی مقصد کے تحت ہمیشہ سے ہر قوم اور ہر علاقہ میں عبادت گاہوں کی تعمیر کا ذوق رہا ہے، اس سلسلہ کا آغاز کس عبادت گاہ سے ہوا؟ اس کا جاننا بہت دشوار ہوتا، اگر خود اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے بارے میں نہ بتایا ہوتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: سب سے پہلے جو گھر اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہ ”کعبۃ اللہ“ ہے، جو مکہ میں تعمیر کیا گیا۔ (آل عمران: ۹۶)

قرآن مجید میں کعبہ کی تعمیر ابراہیم کا صراحتاً ذکر موجود ہے۔ (البقرہ: ۱۲۷)

لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انسان حضرت آدم یا ان سے بھی پہلے فرشتوں نے خدا کے اس گھر کو تعمیر کیا تھا، یہ عبادت گاہ توحید کا مرکز تھی، ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قریب دو ڈھائی سو سال پہلے سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اکیس سال بعد تک یہ مرکز توحید ”بت کدہ“ بنا رہا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس گھر کی بے حرمتی نہیں فرمائی، مکہ فتح ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بت صاف کر دیے اور اس کو اپنی اصل وضع پر لے آئے، لیکن اس کے در دیوار سے ایک اینٹ بھی نہ گھینچی گئی اور حالانکہ اس کی تعمیر بنا ہوا ابراہیم سے کسی قدر مختلف تھی، پھر

بھی اس کی توقیر و اکرام میں کوئی کمی روا نہیں رکھی گئی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں عبادت گاہیں کس قدر قابل احترام اور لائق رعایت ہیں۔

جب بیت المقدس کا علاقہ فتح ہوا تو صورت حال یہ تھی کہ مقام ”صخرہ“ کو عیسائیوں نے کوڑا کرکٹ اور نجائیں چھینکنے کی جگہ بنا رکھا تھا اور یہ یہودیوں کی عداوت کی بناء پر تھا، کیونکہ یہود اسی کو اپنا قبلہ بناتے تھے، حد یہ ہے کہ عورتیں اپنے ناپاکی کے کپڑے یہاں ڈالتی تھیں، سیدنا عمرؓ جب بیت المقدس پہنچے اور مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی تو ”صخرہ“ پر جو مٹی اور گندگی جمع تھی اسے اپنی چادر اور قبائے مبارک کے دامن میں رکھ کر منتقل کرنا شروع کیا، اس طرح تمام مسلمان اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس مقام کو گندگی سے صاف کیا، عیسائیوں کا یہ عمل دراصل یہودیوں کے رد عمل میں تھا، کیونکہ جس مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی عقیدہ کے مطابق سولی دی گئی تھی، اس مقام پر یہود سڑی گلی چیزیں پھینکا کرتے تھے۔ (الہدایہ والنہایہ: ۵۶/۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی جذبات کی رعایت اور عبادت گاہوں کے احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھا، آپ نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ فرمایا اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ نہ کوئی چرچ مہدم کیا جائے گا اور نہ کسی مذہبی رہنما کو نکالا جائے گا: ”لا تہدم لہم بیعة ولا یخرج لہم

قس” (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۰۳۱) بعض مورخین نے معاہدہ نجران میں یہ دفعات بھی نقل کی ہیں کہ پادریوں راہبوں اور پجاریوں کو اپنے عہدے سے برطرف نہیں کیا جائے گا اور نہ صلیبیں اور مورتیاں توڑی جائیں گی۔ (مقامات شہلی: ۱۸۹، بحوالہ فتوح البلدان: ۶۵)

شام کا علاقہ فتح ہوا تو حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت عمر بن عاصؓ اور دو اور صاحبان کی گواہی کے ساتھ دستاویز تحریر فرمائی، جس میں نام بنام چودہ گرجوں کا ذکر فرمایا اور اس کی حفاظت کی تحریری ضمانت دی۔ (الہدایہ والنہایہ: ۲۱/۷)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مصر کے موقع سے بھی حضرت عمر بن عاصؓ نے گرجوں کی حفاظت کے سلسلہ میں دستاویزی معاہدہ کیا تھا اور ان کو اختیار تھا کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کے اندر جس طرح چاہیں عبادت کریں، اور جو کچنا چاہیں کہیں: ”ان یخلى بینہم و بین کنا قسہم یقولون فیہا ما بدالہم۔“ (فتح الغواکہ: ۵۰۰/۲، بحوالہ طبرانی کبیر)

مسلمانوں کو ہمیشہ عبادت گاہوں کا اتنا لحاظ رہا کہ حضرت معاویہؓ نے جب دمشق کی جامع مسجد میں یوحنا کے نام سے موموم گرجا کو شامل کرنے کی کوشش کی اور عیسائی اس پر راضی نہ ہوئے تو آپ اس سے باز رہے، لیکن عبدالملک بن مروان نے بہ جبر گرجا کو مسجد میں شامل کر لیا، پھر خلیفہ عادل و راشد

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے عہد میں عیسائیوں نے فریاد کی اور اس کا حوالہ دیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے دمشق کے گورنر کے نام حکم جاری فرمایا کہ گر جا کا جو حصہ مسجد میں ملایا گیا ہے وہ انہیں واپس کر دیا جائے، آخر مسلمانوں نے عیسائیوں کی خوشامدیں کر کے بڑی مشکل سے انہیں راضی کیا اور اس طرح یہ مسجد بچ سکی۔ (فتوح البلدان: ۱۳۱)

مسلمانوں کے عہد حکومت میں غیر مسلم اقلیتوں کو نہ صرف اپنی قدیم عبادت گاہوں کو باقی رکھنے کا حق تھا، بلکہ نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کی بھی اجازت تھی، مولانا عبدالسلام ندویؒ لکھتے ہیں:

خود عیسائیوں کو اپنی آبادی میں گر جا بنانے کی ممانعت نہ تھی، چنانچہ جب فسطاط مصر میں عیسائیوں نے ایک نیا گر جا بنایا اور فوج نے اس کی مخالفت کی تو حضرت سلمہ بن خلد نے یہ استدلال کیا کہ یہ تمہاری آبادی سے باہر ہے اور اس پر تمام فوج نے سکوت اختیار کیا، (حسن المحاضرہ: ۵/۲)

ہارون رشید کے زمانہ خلافت میں مصر کے گورنر عامر بن عمر نے جب عیسائیوں کو گر جوں کے بنانے کی عام اجازت دینا چاہی تو لویس بن سعد اور عبید اللہ بن لہجہ سے مشورہ لیا، ان بزرگوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ استدلال پیش کیا کہ مصر کے تمام گر جے صحابہ اور تابعین ہی کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔ (ولاء مصر: ۱۳۲)

مسلمانوں نے نہ صرف مذہبی عبادت

گاہوں کو قائم رکھا اور ان کی تعمیر کی اجازت دی، بلکہ عبادت گاہوں کے اوقاف، عہدے اور ان کے وظیفے بھی برقرار رکھے علامہ شبلیؒ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

عمر و بن عاصؓ نے حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مصر فتح کیا تو جس قدر اراضیات گر جاؤں پر وقف تھیں، اسی طرح بحال رہنے دیں، چنانچہ اس قسم کی جو اراضیات ۷۵۵ ہجری تک موجود تھیں ان کی مقدار ۲۵ ہزار فدان تھی۔ (مقالات شبلی: ۲۰۲)

علامہ شبلیؒ نے آگے لکھا ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مرد کا جو پیڑ پارک تھا اور جس کا نام Jesujah تھا، اس نے ایران کے لارڈ بشپ (Simeon) کو جو خط لکھا تھا، اس میں یہ الفاظ تھے: ”عرب جن کو خدا نے اس وقت جہاں کی بادشاہت دی ہے، عیسائی مذہب پر حملہ نہیں کرتے، بلکہ برخلاف اس کے وہ ہمارے مذہب کی امداد کرتے ہیں، ہمارے پادریوں اور خداوند کے مقدسوں کی عزت کرتے ہیں اور گر جوں اور خانقاہوں کے لئے عطیہ دیتے ہیں۔“

(حوالہ سابق: ۲۰۳-۲۰۵)

محمد بن قاسمؒ نے جب سندھ کو فتح کیا تو برہمنوں کے ساتھ خصوصی حسن سلوک، تہوار وغیرہ سے متعلق ان کی مذہبی تقریبات اور ان کو جو دان اور تحائف ملا کرتے تھے، ان سب کو برقرار رکھا۔ (حوالہ سابق: ۲۰۳)

یہ اور اس طرح کے بہت تاریخی

حقائق ہیں جن سے دوسری قوموں کے ساتھ خالص مذہبی معاملات میں بھی مسلمانوں کی رواداری اور فراخ قلبی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، عبادت گاہ خواہ کسی قوم کی ہو، بہر حال اسے خدا کی عبادت و بندگی سے ایک نسبت ہے، اس لئے اس کی بے حرمتی کو ہرگز رواداری نہیں دیا جاسکتا، اس سے لوگوں کے گہرے جذبات متعلق ہیں، ایسی ناشائستہ حرکتوں سے پوری قوم کو گھٹس لگتی ہے اور ان کے قلوب مجرد ہوتے ہیں، اس لئے عبادت گاہوں پر حملہ اور ان کی بے حرمتی اسلامی نقطہ نظر سے انتہائی غیر شریفانہ حرکت ہے، افسوس کہ سنگھ پر یوار نے ہندوستان میں ”بابری مسجد“ کو شہید کر کے عبادت گاہوں کی بے حرمتی کی ایک نئی راہ دکھادی ہے اور شریک پند عناصر جذبات سے کھیلنے اور ماحول کو غیر معتدل رکھنے کے لئے اب اسی مذموم طریقہ کا استعمال کر رہے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جو لوگ عبادت گاہوں کے ساتھ زیادتی کے اصل میں مرتکب ہیں وہی مسلمانوں کو انتہاء پسند اور دہشت گرد کہتے ہیں اور ان پر مذہبی مقامات کی بے احترامی کا الزام لگاتے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے سادہ ذہن غیر مسلم بلکہ ناواقف مسلمان بھی سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک شدت پسند اور مذہب کے معاملہ میں بے مروت اور ناروادار مذہب ہے، کاش! لوگ اسلام کو پڑھیں اور حقائق کو جاننے کی سنجیدہ کوشش کریں۔

○○

مولانا سید نظام حسین شاہ کاظمی

امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین جانشین پیغمبر رفیق فار و مرار

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ماجدہ کا نام سلمہ، کنیت ام الخیر تھی، عتیق کا لقب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور صدیق کا لقب اللہ رب العزت کی طرف سے عطا ہوا، ساتویں پشت پر جا کر آپ رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے تین صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں تھیں، اولاد میں سب سے زیادہ مرتبہ سیدہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پایا، کیونکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، اس وجہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر بنے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قریش کے قبیلہ بنو تمیم کے چشم و چراغ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا خاندان عرب میں اعلیٰ و جاہت کا حامل تھا، آپ رضی اللہ عنہ کا شمار اشراف قریش میں ہوتا تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ کی چار نسلیں اسلام سے مشرف ہوئیں، والد، والدہ، خود، اولاد، پوتے، نواسے سب نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر اسلام قبول کیا۔ آپ سن 574ھ عام الفیل سے تقریباً تین سال بعد پیدا ہوئے، اٹھارہ سال کی عمر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست بنے اور اٹھارہ سال سے لے کر

کے سردار اور سر تاج ہیں ایسے ہی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرات انبیاء کرام کے بعد تمام مومنوں کے سردار اور سب سے افضل ہیں۔ دینِ مصطفیٰ کے پشتیبان اور سرمایہ ناز ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کا ہر قدم نبوت کے ساتھ اٹھتا اور ہر عمل نبوت کے ساتھ ملتا ہے۔ نبوت کی زبان سے جو بات نکلی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً بحیثیت و تصدیق کی اور نبوت کے ہر فیصلے اور عمل کو اپنانے کے لئے جان پر کھیلنے کو تیار ہو جاتے۔ اسی لئے خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سارے صحابہ کے احسانوں کا بدلہ میں نے دنیا میں ہی لوٹا دیا، لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ واحد شخص ہیں جس کے احسانوں کا بدلہ کل قیامت کے دن خداوند کریم خود لوٹائیں گے)۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

آپ رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر، والد کا نام عثمان، کنیت ابوقافہ، والدہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کی قربانیوں کی بدولت آج ہم تک دین پہنچا۔ قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی و رسول ہیں۔ اور نبوت کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے جیسے کوئی بندہ نبی نہیں بن سکتا ایسے ہی کوئی بندہ صحابی بھی نہیں بن سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کو اللہ نے گناہوں سے محفوظ رکھا ہے اور دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری سنائی اور سب سے بڑھ کر رضوان کا سرشکلت عطا کیا، جس کی تمنا جنتی لوگ جنت میں جانے کے بعد کریں گے۔ اسی لئے ہر مسلمان اپنے لئے ہر صحابی کی اتباع کو راہِ نجات اور ہدایت کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں) انہیں ستاروں میں سے ایک ستارہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جس طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین

اکٹھ سال کی عمر تک تینتا لیس سال کا طویل عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال نبوت کا مشاہدہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو سال چھوٹے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی ہو اور وہ بغیر غور و فکر کے مسلمان ہوا ہو۔ سیدنا صدیق اکبر ہر کام میں سب پر بازی لے جاتے، غزوہ جہوک کے موقع پر جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق مال خرچ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے کثیر مال میں سے آدھا مال اللہ کے راستے میں دے کر یہ سوچنے لگے کہ آج میں صدیق اکبر سے آگے بڑھ جاؤں گا۔ لیکن جب صدیق اکبر نے گھر کی سوئی تک لاکر اللہ کے راستے میں پیش کر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ صدیق اکبر سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔ سیدنا صدیق اکبر کی شان میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ بھی خاموش نہیں ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے۔ آپ اہل بیت سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے، اہل بیت کا خیال اپنے گھروالوں سے زیادہ رکھتے تھے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عشق و محبت کا ایک عجیب واقعہ ویسے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دین کی خاطر جو قربانیاں پیش کی

عبادت کھلم کھلا کرتے ہیں، اور ان کی باتیں برسراعام پھیلاتے ہیں اور ہم حق پر ہونے کے باوجود کیوں خاموش ہیں؟ ہمیں بھی چاہئے کہ اسلام کا اعلان برسراعام کریں۔ ان کے اصرار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی اور فرمایا ابھی اسلام کے برسراعام اعلان کا وقت نہیں آیا، یہ فرما کر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سمیت تشریف لے گئے۔ ادھر ابوبکر صدیق اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر جا کر لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے اور لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلاتے رہے۔ اسلام کا سب سے پہلا اعلان اور خطبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر دیا۔ اعلان سنتے ہی مشرکین مکہ نے ابوبکر صدیق اور سب مسلمانوں پر حملہ شروع کر دیا، آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائی

اتوار کا دن تھا، 21 جمادی الاخریٰ کو شدید سردی تھی، آپ نے غسل فرمایا، جس سے آپ بو بخار ہو گیا، جو وفات تک ٹھیک نہ ہوا۔ ہر چند علاج و معالجہ کیا، مگر کوئی فرق نہ پڑا، کمزوری اتنی شدید ہو گئی کہ آپ نماز کے لئے بھی نہ آسکے، بعض روایات کے مطابق آپ کو یہودیوں نے کھانے میں زہر ملا کے دیا تھا۔ درحقیقت آپ گو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کا غم اتنا تھا کہ اندر ہی اندر گھلتے رہے اور اس غم کو برداشت نہ کر سکے۔ بہر حال بیماری کوئی بھی ہو، لیکن یہ حقیقت ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شدید بیماری کے باوجود امور خلافت اور مسلمانوں کے اہم معاملات میں کسی قسم کی غفلت نہیں برتی، اپنی زندگی میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق مال خرچ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے کثیر مال میں سے آدھا مال اللہ کے راستے میں دے کر یہ سوچنے لگے کہ آج میں

ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، ان میں سے ایک دن یہ المناک واقعہ پیش آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف فرما تھے، اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کرنے لگے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کافر اپنے ہاتھ مجبوروں کی گتیں اور تھبہ بن رہیہ۔ سیدنا صدیق اکبر کو اپنی مثال جو تپوں سے مارنے کا، حتیٰ کہ آپ کا چہرہ بگاڑ دیا۔ سیدنا صدیق اکبر کے قبیلہ والے آپ کو اٹھا کر گھر لے آئے آپ بے ہوش تھے۔ ان کا یہ حال دیکھ کر قبیلہ والوں نے اعلان کیا کہ ابوبکر صدیق کو کچھ ہو گیا تو بدلے میں ہم ضرور ہاتھ لگاؤں اور

آپ کے سردار عقبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے۔ دن کا اکثر حصہ بے ہوش رہے، ہوش آتے ہی جو بات زبان سے نکلی وہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ یہ بات سن کر لوگ آپ کو ملامت کرنے لگے اور صدیق اکبر مسلسل یہی بات دہراتے رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ پتہ کرنے پر بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں صبح سالم موجود ہیں، اس وقت سیدنا صدیق اکبر نے قسم کھائی کہ اس وقت تک کچھ کھاؤں گا، پیوں گا نہیں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو جاؤں۔ اس کے بعد آپ کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدنا صدیق اکبر کی حالت دیکھی تو آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ سیدنا صدیق اکبر نے فرمایا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں باپ آپ پر نذا ہوں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی والدہ کے قبول اسلام کے لئے دعا کروائی، جس پر وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔

**منصب خلافت اور فتوحات**  
سیدنا صدیق اکبر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد منصب خلافت پر فائز ہوئے اور تقریباً دو سال دو ماہ اس منصب پر فائز رہے۔ منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد پہلا

یادگار خطبہ ارشاد فرمایا کہ: لوگو! میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں، حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر انسان نہیں ہوں، اب اگر میں ٹھیک راہ پر چلوں تو میری اطاعت کرنا، اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت، تمہارا ضعیف آدمی بھی میرے نزدیک اس وقت تک قوی ہے جب تک اس کا حق نہ دلوادوں۔ اور تمہارا قوی آدمی بھی میرے نزدیک اس وقت تک ضعیف ہے جب تک دوسرے کا حق اس سے واپس نہ دلوادوں۔ یاد رکھو کہ: جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیتی ہے خدا اسے رسوا کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے، خدا اسے مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سنو! اگر میں خدا اور رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرنا۔ اگر میں کہیں خدا اور رسول کی نافرمانی کروں، تو تم پر بھی میری اطاعت لازم نہیں۔ آپ کے اس مختصر ذر خلافت میں مسلمانوں کو بہت فتوحات حاصل ہوئیں، جن میں عراق و شام کی فتح سب سے عظیم فتح تھی۔ آپ نے اپنے دور میں منکرین زکوٰۃ، مدعیان نبوت اور مرتدین سے جنگ کرنے کے ساتھ ساتھ باقی قوتوں کی سرکوبی بھی کی۔

**مرض الموت اور وفات**  
اتوار کا دن تھا، 21 جمادی الاخریٰ کو شدید سردی تھی، آپ نے غسل فرمایا، جس

سے آپ کو بخار ہو گیا، جو وفات تک ٹھیک نہ ہوا۔ ہر چند علاج و معالجہ کیا، مگر کوئی فرق نہ پڑا، کمزوری اتنی شدید ہو گئی کہ آپ نماز کے لئے بھی نہ آسکے، بعض روایات کے مطابق آپ کو یہودیوں نے کھانے میں زہر ملا کے دیا تھا۔ درحقیقت آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کا غم اتنا تھا کہ اندر ہی اندر گھلتے رہے اور اس غم کو برداشت نہ کر سکے۔ بہر حال بیماری کوئی بھی ہو، لیکن یہ حقیقت ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شدید بیماری کے باوجود امور خلافت اور مسلمانوں کے اہم معاملات میں کسی قسم کی غفلت نہیں برتی، اپنی زندگی میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

22 جمادی الثانی سن 13 ہجری بروز پیر مغرب وعشاء کے درمیان آپ دار الفناء کو چھوڑ کر دار البقاء کی طرف منتقل ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو وصیت کے مطابق غسل اور کفن دیا گیا اور روضہ رسول میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہو گئے دنیا کی طرح قبر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بنے۔ اور کل قیامت کے دن بھی اکٹھے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ ہم سب کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سچی عقیدت نصیب فرمائے۔ (آمین)



شخصیت تشکیل کرتا ہے جس کا قبلہ زندگی ممتاز ہوتا ہے۔ اس کا مقصد زندگی ایک ہوتا ہے اور اس کا طرز زندگی متعین ہوتا ہے۔ اس کا معبود ایک ہی ہوتا ہے جس کی طرف وہ خلوت و جلوت میں رجوع کرتا ہے۔ وہ تنگی اور تکلیف میں اسی کو پکارتا ہے۔ وہ چھوٹا بڑا عمل وہی انجام دیتا ہے جو اس معبود واحد کی رضا مندی کا باعث ہو۔

اس کے مقابلے میں مشرک کا قبلہ زندگی طرح طرح کے معبودوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اس کی زندگی قسم قسم کے معبودوں میں بٹی ہوتی ہے۔ کبھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو کبھی بتوں کی طرف لپکتا ہے۔ وہ کبھی اس بت کی بندگی بجالاتا ہے تو کبھی دوسرے بت کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اسی کی کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ کے پیغمبر سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا:

أَزْيَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرًا أَمِ اللَّهُ  
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ (یوسف ۱۲: ۳۹)

”تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسی کیفیت کو مثال دے کر سمجھایا ہے:

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ  
شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا  
لَرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا۔  
(الزمر: ۲۹)

ہے اور انسانی ضمیر کے کسی بھی چیز کے سامنے حقیر و ذلیل ہونے سے آزادی ہے۔ وقت کے فرعونوں، خداؤں اور جھوٹے معبودوں کے تسلط سے انسانی زندگی کی آزادی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مشرک کے علمبرداروں اور جاہلیت کے باغیوں نے ہر دور میں انبیاء کی دعوت کو روکنے کی پوری کوشش کی خاص طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو پھیلنے سے روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ دراصل ان باغیوں اور سرکشوں کو معلوم تھا کہ لا الہ الا اللہ کا مطلب انسان کی آزادی کا اعلان ہے۔ ہر قسم کے جابروں کو ان کی جھوٹی خدائی کے تخت سے گرانے کا اعلان ہے۔ اہل ایمان کے لئے سر اٹھا کر جینے کا اعلان ہے۔ یہ اعلان کہ ان کی پیشانی اللہ رب العالمین کے سوا کسی شے کے سامنے خم نہیں ہو سکتی۔

متوازن شخصیت کی تشکیل عقیدہ توحید ایک ایسی متوازن

شکر کے شائبوں سے پاک عقیدہ توحید جب کسی فرد کی زندگی میں آجائے، یا کسی قوم کی اجتماعی زندگی اس عقیدے پر استوار ہو جائے تو زندگی میں اس کے بہترین ثمرات اور نہایت مفید اثرات سامنے آتے ہیں۔ ان ثمرات و اثرات میں سے چند درج کئے جاتے ہیں:

#### انسانی آزادی

شکر اپنی تمام صورتوں اور مظاہر میں انسان کی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے کہ مشرک انسان کو مخلوقات کے سامنے جھکاتا اور ان اشیاء اور انسانوں کی بندگی اس سے کراتا ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ خود اپنے کسی نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں، اور نہ زندگی اور موت ان کے ہاتھ میں ہے، جب کہ توحید دراصل اللہ کی بندگی کے سوا ہر طرح کی بندگی سے انسان کی نجات اور آزادی کا نام ہے۔ توہمات و خرافات سے انسانی دل و دماغ کی آزادی

”اللہ ایک مثال دیتا ہے۔ ایک شخص تو وہ ہے جس کے مالک ہونے میں بہت سے کج خلق آقا شریک ہیں جو اسے اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں، اور دوسرا شخص پورا کا پورا ایک ہی آقا کا غلام ہے۔ کیا ان دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے؟“

مومن کی مثال اس غلام جیسی ہے جس کا مالک ایک فرد ہو۔ ایسے غلام کو اپنے

مالک کی پسند و ناپسند اور خوشی و ناخوشی کا علم ہوتا ہے۔ لہذا وہ غلام وہی

کام کرتا ہے جو اس کے مالک کو خوش کرے اور اس سے اس کو راحت ملے،

جب کہ مشرک کی مثال اس غلام جیسی ہے جس کا

مالک ایک فرد نہیں بلکہ کئی افراد اس کے مالک ہوں۔

ایک فرد اس کو مشرق کی طرف روانہ کرتا ہے، جب کہ دوسرا مغرب

کی طرف بھیج دیتا ہے۔ ایک اس کو دائیں

طرف سے کھینچ رہا ہوتا ہے اور دوسرا اسے بائیں

طرف سے کھینچتا ہے۔ یہ مختلف اور متضاد

رہنمائیاں اور عقائد رکھنے والے مالک ہیں اور بے چارہ غلام ان کے

درمیان منقسم اور بنا ہوا ہے۔ وہ ایک جگہ نہ ٹھہر سکتا ہے نہ رُک سکتا ہے۔

اطمینان دل کا سرچشمہ عقیدہ توحید اپنے ماننے والے کو دل کا

اطمینان اور سکون عطا کرتا ہے۔ عقیدہ توحید کے حامل فرد کے اوپر وہ خوف اور خدشات حاوی نہیں ہو سکتے جو ایک مشرک کے اوپر قبضہ جمائے رہتے ہیں۔ عقیدہ توحید ایسے خوف و خدشات کے تمام راستوں کو بند کر دیتا ہے، مثلاً رزق کا خوف، موت کا خوف، بیوی بچوں کا خوف، انسانوں اور

مومن کی مثال اس غلام جیسی ہے جس کا

مالک ایک فرد ہو۔ ایسے غلام کو اپنے مالک کی پسند و ناپسند اور خوشی و ناخوشی کا علم ہوتا ہے۔ لہذا وہ غلام وہی کام کرتا ہے جو اس کے مالک کو خوش کرے اور اس سے اس کو راحت ملے،

جب کہ مشرک کی مثال اس غلام جیسی ہے جس کا مالک ایک فرد نہیں بلکہ کئی افراد اس کے مالک ہوں۔

ایک فرد اس کو مشرق کی طرف روانہ کرتا ہے، جب کہ دوسرا مغرب کی طرف بھیج دیتا ہے۔ ایک اس کو دائیں طرف سے کھینچ رہا ہوتا

ہے اور دوسرا اسے بائیں طرف سے کھینچتا ہے۔ یہ مختلف اور متضاد رہنمائیاں اور عقائد رکھنے والے مالک ہیں اور بے چارہ غلام

ان کے درمیان منقسم اور بنا ہوا ہے۔ وہ ایک جگہ نہ ٹھہر سکتا ہے نہ رُک سکتا ہے۔

جنوں سے نقصان پہنچنے کا خوف، موت اور مابعد الموت کا خوف، یہ تمام خوف عقیدہ توحید سے خالی دل کی آماجگاہ ہوتے ہیں

بلکہ اس طرح کے دل میں یہ تمام خوف بہترین طریقے سے نشوونما پاتے ہیں، جب کہ عقیدہ توحید سے لبریز دل میں ان

خطرات کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ وہاں صرف ایک رب کی ناراضی کا خوف ہے اور کسی کا نہیں۔

توحید پرست مومن اللہ کے علاوہ کسی شے سے نہ ڈرتا ہے نہ کسی انسان سے۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوگ گھبرا جاتے ہیں تو یہ مطمئن نظر آتا ہے۔ لوگ مضطرب اور بے چین ہوں تو یہ پر سکون دکھائی دیتا ہے۔ دراصل یہ عقیدہ توحید کا اثر ہے جس نے اس کے دل سے تمام خطرات و خدشات کا خوف نکال دیا ہے۔ جلیل القدر پیغمبر اور

جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم کے ساتھ مکالمے میں اسی اطمینان قلبی کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، جب ان کی قوم نے ان کو اپنے بتوں سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نہایت تعجب خیز انداز میں ان سے پوچھا:

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَنتُمْ تَفْلَحُونَ۔ (الانعام: ۸۱)

توحید پرست مومن اللہ کے علاوہ کسی شے سے نہ ڈرتا ہے نہ کسی انسان سے۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوگ گھبرا جاتے ہیں تو یہ مطمئن نظر آتا ہے۔ لوگ مضطرب اور بے چین ہوں تو یہ پر سکون دکھائی دیتا ہے۔ دراصل یہ عقیدہ توحید کا اثر ہے جس نے اس کے دل سے تمام خطرات و خدشات کا خوف نکال دیا ہے۔ جلیل القدر پیغمبر اور

جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم کے ساتھ مکالمے میں اسی اطمینان قلبی کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، جب ان کی قوم نے ان کو اپنے بتوں سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نہایت تعجب

خیز انداز میں ان سے پوچھا:

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَنتُمْ تَفْلَحُونَ۔ (الانعام: ۸۱)

”اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں، جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو الوہیت میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لئے اُس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے؟ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ

توحید پرست مومن اللہ کے علاوہ کسی شے سے نہ ڈرتا ہے نہ کسی انسان سے۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوگ گھبرا جاتے ہیں تو یہ مطمئن نظر آتا ہے۔ لوگ مضطرب اور بے چین ہوں تو یہ پر سکون دکھائی دیتا ہے۔ دراصل یہ عقیدہ توحید کا اثر ہے جس نے اس کے دل سے تمام خطرات و خدشات کا خوف نکال دیا ہے۔ جلیل القدر پیغمبر اور

جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم کے ساتھ مکالمے میں اسی اطمینان قلبی کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، جب ان کی قوم نے ان کو اپنے بتوں سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نہایت تعجب

خیز انداز میں ان سے پوچھا:

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَنتُمْ تَفْلَحُونَ۔ (الانعام: ۸۱)

”اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں، جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو الوہیت میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لئے اُس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے؟ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ

توحید پرست مومن اللہ کے علاوہ کسی شے سے نہ ڈرتا ہے نہ کسی انسان سے۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوگ گھبرا جاتے ہیں تو یہ مطمئن نظر آتا ہے۔ لوگ مضطرب اور بے چین ہوں تو یہ پر سکون دکھائی دیتا ہے۔ دراصل یہ عقیدہ توحید کا اثر ہے جس نے اس کے دل سے تمام خطرات و خدشات کا خوف نکال دیا ہے۔ جلیل القدر پیغمبر اور

جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم کے ساتھ مکالمے میں اسی اطمینان قلبی کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، جب ان کی قوم نے ان کو اپنے بتوں سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نہایت تعجب خیز انداز میں ان سے پوچھا:

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَنتُمْ تَفْلَحُونَ۔ (الانعام: ۸۱)

کچھ علم رکھتے ہو۔“

جے خونیا واطمینان کا مستحق ہے؟ بتاؤ اگر تم  
پھر اللہ تعالیٰ نے خود بھی واضح کیا کہ  
ان دونوں فریقوں میں سے امن کا حقدار  
کون سا فریق ہے، لہذا فرمایا:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا  
إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ  
وَهُمْ مُتَقَدِّمُونَ. (الانعام: ۶: ۸۲)

”حقیقت میں تو امن ان ہی کے  
لئے ہے اور راہ راست پر وہی ہیں جو ایمان  
لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے  
ساتھ آلودہ نہیں کیا۔“

دل کا یہ سکون دل کے اندر ہی سے  
پیدا ہوتا ہے نہ کہ کسی شیطانی محافظ کی کسی  
کوشش ہے۔ اور یہ تو دنیاوی امن کی بات  
ہے۔ رہا آخرت کے امن کا معاملہ تو یہ  
دنیاوی امن سے زیادہ بڑا معاملہ ہے۔ اور  
یہ اہل ایمان ہی کو حاصل ہوگا کیونکہ انہوں  
نے اللہ کی بندگی کو شرک سے آلودہ نہیں  
ہونے دیا بلکہ اس کو خالص رکھا۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن  
مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ  
جب آیت ”الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا  
إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ.“ (الانعام: ۶: ۸۲) نازل  
ہوئی تو ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم! ہم میں سے کون ہے جو اپنے اوپر  
ظلم نہیں کرتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا: بات اس طرح نہیں ہے جیسے تم کہہ

رہے ہو۔ کیا تم نے لقمان کی اپنے بیٹے کو  
نصیحت نہیں سنی کہ ”لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ  
الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ.“ (لقمان:  
۱۳: ۳۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا،  
حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

لہذا واضح ہوا کہ ”وَلَمْ يَلْبِسُوا  
إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ.“ کا مطلب یہ ہے کہ  
انہوں نے اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص  
کر لیا اور اپنے عقیدہ توحید کو شرک کے  
شائبوں سے آلودہ نہیں کیا۔

قوت نفس کا سرچشمہ

عقیدہ توحید اپنے ماننے والے کو  
بہت بڑی نفسیاتی قوت عطا کرتا ہے جس کی  
وجہ سے اس کا دل اللہ سے امید، اس پر  
یقین اور توکل، اس کے فیصلوں پر  
رضامندی، اس کی آزمائشوں پر صبر اور اس  
کی مخلوقات سے استغنا کی قوت و طاقت  
سے لبریز رہتا ہے۔ ایسا شخص پہاڑ کی مانند  
ثابت قدم ہوتا ہے جس کو حادثات زمانہ  
ہلا سکتے ہیں نہ حالات زمانہ ڈگمگا سکتے ہیں۔

جب بھی کوئی مصیبت یا سختی اس پر آتی ہے تو  
وہ مخلوق کی طرف نہیں بھاگتا بلکہ وہ اپنے  
دل کو اپنے خالق کی طرف یکسو کر لیتا ہے۔  
وہ اسی سے مانگتا ہے اور اسی سے مدد لیتا  
ہے، اسی کے اوپر اعتماد و انحصار کرتا ہے۔ وہ  
مصیبت سے نجات اور خیر کے حصول کے  
لئے اللہ کے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتا۔  
وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی کے آگے دست دُعائیں

پھیلاتا۔ وہ اُس کے سامنے روتا اور گڑگڑاتا  
ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا اور اسی سے  
اپنی لوگاتا ہے۔ اس کا امتیازی نشان بزبان  
رسالت یہ ہوتا ہے: ”تو جب بھی مانگے، اللہ  
سے مانگ، اور مدد چاہے تو اللہ سے لے۔“

ایسے شخص کی اعتقادی کیفیت کو قرآن  
مجید نے یوں متعین کر کے بیان کیا ہے:  
وَإِنْ يَمَسُّنَّكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا  
كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ  
فَلَا رَأَىٰ لِفَضْلِهِ يُصَيِّبُ بِهِ مَن يَشَاءُ  
مِنَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.

(یونس: ۱۰: ۱۰۷)

”اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں  
ڈالے تو خود اُس کے سوا کوئی نہیں جو اُس  
مصیبت کو ٹال دے، اور اگر وہ تیرے حق  
میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اُس کے  
فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ وہ  
اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے  
فضل سے نوازتا ہے اور وہ درگزر کرنے والا  
اور رحم فرمانے والا ہے۔“

ایسا ہی موقع تھا جس کو قرآن مجید نے  
اہل ایمان کی اعتقادی کیفیت کو تقویت دینے  
کے لئے بیان کیا ہے جب پیغمبر خدا حضرت  
ہود علیہ السلام کی قوم نے بتوں کی کارروائی  
سے ان کو ڈرایا تو ہود علیہ السلام نے فرمایا:  
أَشْهَدُ لِلَّهِ وَأَشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ  
مِّمَّا تَشْرِكُونَ. مِنْ دُونِهِ فَكَيْدُونِي  
جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظَرُونَ. إِنِّي تَوَكَّلْتُ

عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآئِبَةٍ  
إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي  
عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔

(ہود-۱۱: ۵۳-۵۶)

”میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے الوہیت میں شریک ٹھہرا رکھا ہے اس سے میں بے زار ہوں۔ تم سب کے سب مل کر میرے خلاف اپنی کرنی میں کسر نہ اٹھا رکھو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میرا بھروسا اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی اُس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔“

یہ ایسی طاقت و عقلی دلیل ہے جو ایک مضبوط عقیدہ توحید کے حامل دل اور مضبوط ترین قوت استقامت کے حامل نفس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ ایسا ایمان ہے جو کمزور پڑ سکتا ہے نہ دب سکتا ہے اور ایسی روحانی قوت ہے جو کسی کمزوری اور خوف سے نا آشنا ہو۔ اس لئے کہ ایسا دل اور نفس تو کل علی اللہ سے مدد لیتا ہے اور جو اللہ پر توکل کرے جان لینا چاہیے کہ اللہ تمام تر طاقت اور حکمت کا مالک ہے:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ  
اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (الانفال-۸: ۳۹)

”اگر کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو یقیناً اللہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔“

اخوت و مساوات کی بنیاد

جب عقیدہ توحید انسان اور اس کے احساس عزت و تکریم کی آزادی کی اساس شمار ہوتا ہے تو یہ عقیدہ انسانی اخوت اور بشری مساوات کی بنیاد بھی بنے گا۔ کیونکہ انسانوں کے اپنے ہی جیسے انسانوں کو اپنا رب بنالینے کی صورت میں انسانی اخوت و مساوات قطعاً پیدا نہیں ہو سکتی۔ انسانوں کے درمیان اخوت و مساوات کی اصل بنیاد یہی عقیدہ ہے کہ وہ سب کے سب ایک اللہ کے بندے ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکاتیب دنیا کے مختلف بادشاہوں اور سربراہوں کو لکھے غالباً اسی بنا پر ان کا اختتام اس آیت پر ہوتا ہے:

تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا  
وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ  
بِهِ شَيْئاً وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً  
أَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللَّهِ۔

(آل عمران-۳: ۶۴)

”ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے۔“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد از نماز دعاؤں میں یہ عظیم اور شان دار دعا بھی مروی ہے: **اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ  
وَمَلِيكَ، اَنَا شَهِيدٌ أَنَّكَ اللَّهُ وَحَدَّكَ  
لَا شَرِيكَ لَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ**

شَيْءٍ وَمَلِيكَهٗ اَنَا شَهِيدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا  
عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ اَللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ  
كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكَهٗ اَنَا شَهِيدٌ اَنَّ  
الْعِبَادَةَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ۔

اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ واحد ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ اے اللہ! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ اے اللہ! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام کے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکور یہ تینوں شہادتیں ایک دوسری سے مربوط ہیں۔ تیسری شہادت ”عام انسانی اخوت“ کا اعلان کہ تمام کے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں، پہلی دو شہادوں پر مبنی ہے: یعنی اللہ تعالیٰ کا الوہیت میں یکتا ہونا کہ اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا رب نہیں، اور عبادت و تسلیم کا حق اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اور محمدؐ کے عبد اور رسول ہونے کا اقرار آپ کے لئے الوہیت کے ہر شاہجے اور شہجے کی نفی کرتا ہے کہ آپ الہ (معبود) نہیں ہیں، نہ ابن الہ ہیں اور نہ الوہیت کا تیسرا اقنوم ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا سیدنا مسیح علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ ہے۔

○○○

دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ  
آج اپنی خطاؤں کا، لادے ہوئے پستارہ

## مناجات

سرگشتہ و درماندہ، بے ہمت و ناکارہ  
وارفتہ، و سرگرداں، بے مایہ و بے چارہ  
شیطان کا ستم خوردہ، ہے نفس کا دکھیارہ  
ہر سمت سے غفلت کا گھیرے ہوئے اندھیارہ  
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ  
آج اپنی خطاؤں کا، لادے ہوئے پستارہ

جذبات کی موجوں میں لفظوں کی زباں گم ہے  
اس عالم حیرت میں یارائے بیاں گم ہے  
مضمون جو سوچا تھا، کیا جانوں؟ کہاں گم ہے  
آنکھوں میں بھی اشکوں کا اب نام و نشاں گم ہے  
سینے میں سلگتا ہے رہ رہ کے اک انگارہ  
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ  
آج اپنی خطاؤں کا، لادے ہوئے پستارہ

آیا ہے تیرے در پر خاموشی نوالے کر  
نیکی سے تہی دامن، انبار خطالے کر  
لیکن تری چوکھٹ سے اُمید سخالے کر  
اعمال کی ظلمت میں توبہ کی ضیالے کر  
سینے میں سلاطم ہے، دل شرم سے صد پارہ  
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ  
آج اپنی خطاؤں کا، لادے ہوئے پستارہ

یہ کعبہ کرشمہ ہے یا رب تری قدرت کا  
ہر لمحہ یہاں جاری میزاب ہے رحمت کا

ہر آن برستا ہے ہن تیری سخاوت کا  
سینے ہے یہ بندوں سے اک تیری محبت کا  
ہر آنکھ میں دیکھا ہے اُمید کا اک تارہ  
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ  
آج اپنی خطاؤں کا، لادے ہوئے پستارہ  
مرکز ہے نوازش کا، رحمت سے بھرا گھر ہے  
اس گھر کا ہر اک ذرہ، رشک مہ و اختر ہے  
محروم نہیں کوئی، جس در سے یہ وہ در ہے  
جو اس کا بھکاری ہے، قسمت کا سکندر ہے  
یہ نور کا قلزم ہے یہ امن کا فوارہ  
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ  
آج اپنی خطاؤں کا، لادے ہوئے پستارہ

یارب مجھے دنیا میں چینے کا قرینہ دے  
ایمان سلامت رکھ، الفت کا خزینہ دے  
سیلاب معاصی میں طاعت کا سفینہ دے  
ہستی کے اندھیروں کو انوار مدینہ دے  
ہر ملک میں چمکادے اسلام کا مینارہ  
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ  
آج اپنی خطاؤں کا، لادے ہوئے پستارہ

اللہ مرے، مجھ پر کچھ خاص کرم فرما  
بخشنے ہوئے بندوں میں مجھ کو بھی رقم فرما  
بھٹکے ہوئے راہی کا رخ سوائے حرم فرما  
دورانہ عالم کو گلزار ارم فرما  
کردے میرے ماضی کی ہر سانس کا کفارہ  
دربار میں حاضر ہے اک بندۂ آوارہ  
آج اپنی خطاؤں کا، لادے ہوئے پستارہ

مفتی محمد تقی عثمانی

# نماز مومن کی معراج

کے متعلق یہ اہتمام فرمایا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر مدعو کیا، اپنی تجلیات کا مشاہدہ کرنا اور بنفس نفیس یہ تحفہ آپ کو عنایت فرمادیا۔ یہاں یہ اصول ملحوظ ہے کہ حاکم ان کے لئے کہڑا ستارہ کے ذریعہ بھیجے تو اس نے اسے نہ مانا، لیکن جو حکم خود محکوم کو پہنچاتا ہے وہ بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے ان کے لئے اس وقت بھی اتنی ہی عبادت کی جائے اور عبادت خاص خاص احوال و عبادت کی بنا پر معاف ہو جاتی ہیں یا ساقط ہو جاتی ہیں، لیکن نماز کسی حال میں بھی معاف نہیں، البتہ کچھ تخفیف ضرور ہے، اسی طرح دیگر عبادات خاص اوقات میں فرض ہیں، مگر نماز ہر عاقل و بالغ پر روزانہ باج مرتبہ پورے اہتمام کے ساتھ عبادت کا انفرادی اور اجتماعی نظام تجویز کیا گیا ہو، یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ تھوڑی دیر بھی اپنے مقبوعین کو غفلت میں دیکھنا نہیں چاہتا، وہ ہمیشہ بارگاہ ایزدی کے استحضار کا تصور دلوں میں جاگزیں کرتا ہے اسی لیے نہایت اہتمام کے ساتھ نماز کا حکم دیا جس سے اسلامی عبادات میں نماز کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

## نماز کی اہمیت

قرآن و حدیث میں بے شمار مقامات پر نماز کی عظمت و اہمیت کو اجاگر فرمایا گیا ہے۔ خاصان خدا کی امتیازی صفات عالیہ میں بیان کیا گیا ہے جس کی تشریح فرماتے ہوئے

ہوتا ہے کہ ان کی حقیقت اور اصل روح غایت نازک ہے، یعنی انتہائی باعزت ہستی کے آگے انتہائی تواضع اختیار کرنا، اپنے آپ کو جھکا دینا، اس معنی کے لحاظ سے ”نماز“ عبادت کا فرد کامل اور مظہر اتم ہے، کیونکہ اس کی ہیئت کذائی یعنی قیام، قعود، رکوع اور سجدہ جس میں اپنی ناک اور پیشانی زمین پر رکھنا، وغیرہ یہ سب انتہائی تواضع اور کامل عبدیت کا اظہار ہے، نیز اس کے اذکار اور دعا وغیرہ بھی اپنے پروردگار کی عزت و جلال اور نفس کی فدائیت پر مشتمل ہیں جن سے شان تذلّل مزید چمکتی ہے، اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ نماز اپنی ہیئت ظاہری اور حقیقت باطنی کے اعتبار سے خالص مظہر عبدیت ہے۔

## نماز کی خصوصیت

اللہ رب العزت نے جتنے احکامات عطا فرمائے ہیں (خواہ بدنی ہوں یا مالی) تمام حضرت جبرئیل علیہ السلام کے توسط سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اتنا فرمائے یعنی ان کا نزول فرش پر ہوا، لیکن نماز

واقعہ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا ایک زندہ جاوید معجزہ اور انسانی تاریخ کا ایک نادر ترین واقعہ ہے، یقیناً یہ واقعہ کمالات نبویہ میں عظیم الشان و رفیع المرتبت حیثیت کا حامل ہے، کیونکہ اس واقعہ سے بے شمار اہم واقعات (جو کہ عالم ملکوت میں پیش آئے) جڑے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ایک خاص تحفہ یعنی نماز بھی اس کا اہم جزو ہے، یہی وہ ہبتم بالشان تحفہ ہے جو دین اسلام کا ستون بلکہ شناخت اور علامت ہے، اسی تحفے نے حضرات صحابہ کو خوشی و مسرت سے سرشار کر دیا تھا، یہی وہ مبارک ہدیہ ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان ربط و تعلق پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ ہے اور بندوں کی بندگی کے اظہار کا عملی نمونہ ہے جس سے انسان کی کامل بندگی عظیم المرتبت ہستی کے سامنے عیاں ہو جاتی ہے۔

## عبادت کی تعریف

اسلامی عبادات پر غور کرنے سے معلوم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث مبارکہ میں نماز کی اہمیت اور اس کے دنیوی و اخروی فوائد کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ان الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر" (التکویت: ۲۵)

میں کمی کی وجہ سے ہے (معارف القرآن: ۲۹۶/۶) درحقیقت نماز سے قلب و ضمیر کو زندگی ملتی ہے، کیونکہ جب بندہ نماز میں اللہ رب العزت سے مناجات میں مشغول ہو جاتا ہے اور صفت "احسان" کا تصور پوری طرح مضبوط ہو جاتا ہے تو نماز کے باہر بھی اس کے

## موت کے بعد جسم میں تغیر نہ آنا

یعنی یقیناً نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں (گناہ) سے روکتی ہے، متعدد مستند احادیث کی رو سے اس آیت کریمہ کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اقامت صلوٰۃ میں بالخاصہ (بذات خود) یہ تاثیر ہے کہ جو اس کو ادا کرتا ہے اس سے گناہ چھوٹ جاتے ہیں، بشرطیکہ نماز کے تمام ظاہری و باطنی آداب کی رعایت کرتے ہوئے سنت کے مطابق اور

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں موجود تھا۔ میرے باپ نے مجھے کچھ رات گئے بلایا اور کہا میرا خیال ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم سے زیادہ کسی کو عزیز نہیں چھوڑتا، سو میں تم کو دو باتوں کی وصیت کرتا ہوں، ایک یہ کہ میرے ذمہ کچھ قرض ہے وہ تم ادا کر دینا، دوسرے یہ کہ اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ واقعی وہی پہلے مقتول تھے، پھر میں نے ان کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ دفن کر دیا، بعد میں مجھے تکلیف ہوئی کہ میں نے ان کو کیوں دوسرے کے ساتھ دفن کیا، میں نے ان کو چھ مہینے کے بعد قبر سے نکالا تو وہ ویسے ہی تروتازہ اور صبح سالم تھے جیسے رکھے گئے تھے بس کان ثابت نہ تھا، پھر میں نے ان کو الگ قبر میں رکھا۔ (بخاری)

آپ کو دیں گے، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز پر مدامت دنیوی مسائل کو حل کرنے کا ذریعہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے نماز کی برکت سے اہل دعیال کے رزق کا معاملہ اپنے ذمے لے رکھا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان کے بس میں تحصیل رزق ہے ہی نہیں، وہ صرف ذریعہ اور واسطہ ہے، سب کچھ مسبب الاسباب کی قدرت سے

کامل خشوع و خضوع کے ساتھ اس طرح ادا کیا جائے کہ گویا نمازی حق تعالیٰ سے عرض معروض کر رہا ہے، اس طرح نماز پڑھنے والے کو خود بخود منجانب اللہ اعمال صالحہ کی توفیق بھی ہوتی ہے اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کی ہمت بھی، اس کے برخلاف جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود گناہوں سے احتراز نہ کرے تو یہ اس کی نماز اثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں اور انسان کا ضمیر اتنا حساس اور بیدار ہو جاتا ہے کہ وہ ہر ایسے کام سے مانوس ہو جاتا ہے جس سے اس کا رب حقیقی خوش ہو اور ساتھ ہی ہر ایسے عمل سے اس کو نفرت ہوتی ہے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہو، لہذا نماز کی پابندی گناہوں سے اجتناب اور دیگر عبادات کا شوق پیدا کرنے میں نسخہ اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے دوسری جگہ ارشاد

کیا تو حیرت انگیز فکر اور مشغل سے بھر دوں گا اور محتاجی دور نہ کروں گا۔ (ترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی اہمیت کو جس اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا ہے اس کا اندازہ ذیل کی بعض احادیث کے خلاصہ سے ہوتا ہے:

نماز دین کا ستون ہے (کشف الخفاء: ۷۲/۲) یعنی اس طرح ایک عمارت ستون پر قائم رہتی ہے اسی طرح انسان کے دین کی عمارت نماز کے ستون پر لگی ہوئی ہے۔ اگر کوئی نماز کو ضائع کر دے تو گویا دین کے ستون کو گرانے والا ہوگا۔ "من اقامها

اقام الدین و من هدمها هدم الدین" (الحدیث) قیامت میں سب سے پہلے (عبادات میں) نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز کا حساب درست نکلا تو بقیہ اعمال بھی صحیح نکلیں گے اور اگر نماز میں خرابی نکلی تو بقیہ اعمال میں بھی فساد ظاہر ہوگا۔ (الترغیب:

۱۵۰/۱) یعنی نمازی پر بقیہ اعمال کی صحت و سقم، اصلاح و فساد کا مدار ہے۔ "اولین پرستش کہ نماز بود" اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اچھا اور افضل عمل نماز ہے۔ (الترغیب:

۱۵۰/۱) کیونکہ نماز دیگر عبادات کو انجام دینے پر آمادہ کرنے والی عبادت ہے "نماز روشنی ہے" (مسلم: ۱۱۸/۱) یعنی نماز کے ذریعہ ظاہری نور بھی حاصل ہوتا ہے اور آخرت کے اندھیروں میں بھی ظلمتوں کو دور کرنے کا بڑا سبب نماز ہے "نماز پڑھنے سے نماز کی گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں

جیسے بت جھڑ کے موسم میں درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔" (مسند احمد: ۱۷۹/۵) یعنی انسان کے گناہوں کی معافی کا بڑا سبب نماز ہے۔ "نماز کی کثرت پیغمبر کی رفاقت کا سبب ہے۔" (مسلم: ۱۹۳/۱) یعنی جس قدر نامہ اعمال میں نمازوں کی کثرت ہوگی جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا استحقاق اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ (ان شاء اللہ) مذکورہ بالا آیات و احادیث سے اسلامی عبادات میں نماز کی اہمیت اور عظمت و ضرورت کا بآسانی علم ہوتا ہے۔

**تو رک نماز پر سخت و عیدیں**  
نماز کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہایت اہم ہے اور اس میں کوتاہی شریعت میں بالکل ناقابل برداشت ہے، اسی لئے ہر مسلمان عاقل، بالغ، مرد و عورت، جوان و بوڑھے، صحت مند و مریض اور مسافر و مقیم سب پر نماز فرض ہے کسی سے ساقط نہیں شرعی اعذار کی بناء پر نماز کے احکامات میں کسی قدر تخفیف تو ہے مگر فرضیت ختم نہیں کی گئی ہے۔ مثلاً مسافر کے لئے قصر کا حکم ہے چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھے، اسی طرح مریض کے لئے جس حالت میں ممکن ہو اس حالت میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، حتیٰ کہ اگر ہوش و حواس کی سلامتی کی حالت میں موت کا وقت آجائے اور اس کے ذمہ میں کچھ نمازیں قضا رہ گئیں تو ان کے متعلق فدیہ دینے کی وصیت کرنے کا حکم ہے، اس لئے

کسی مسلمان کے لئے نماز چھوڑنا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے، احادیث شریفہ میں نماز چھوڑنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، بعض ارشادات درج ذیل ہیں:

"انسان اور کفر کے درمیان صرف نماز کا چھوڑنا حائل ہے۔" (مسلم: ۶۱/۱) یعنی جیسے ہی نماز چھوڑے گا کفر کی سرحد پر پہنچ جائے گا۔ "جس نے قصداً کوئی نماز ترک کر دی تو وہ کھلے عام کافر ہو گیا۔" (الترغیب والترہیب: ۲۱۳/۱) یعنی نماز چھوڑنے سے انسان اسلام کی امتیازی علامت سے محروم ہو جاتا ہے۔ "جو شخص نماز کی پابندی نہ کرے اس کا حشر قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف (جیسے بدترین کافروں) کے ساتھ ہوگا۔" (مسند احمد: ۱۲۹/۲) یعنی بے نمازی کو سزا کے وقت کافروں کے ساتھ رکھا جائے گا۔ "جو شخص کی کوئی نماز چھوٹ جائے تو گویا کہ اس کا

سارا مال اور اہل و عیال تباہ ہو گئے۔" (الترغیب: ۲۱۸/۱) یعنی جتنا افسوس اس انسان کو اپنے گم ہار کے تباہ ہونے پر ہو سکتا ہے اس سے کہیں زیادہ افسوس ایک نماز کے قضا ہونے پر ہونا چاہئے، ان کے علاوہ بے شمار آیات و احادیث اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ نماز کا ترک کرنا انتہائی عظیم نقصان و خسران ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

**نماز باجماعت**

اس عظیم الشان تحفہ خداوندی کی

ادا نیکی کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توفی، فعلی اور عملی طور پر بتلایا ہے، چنانچہ شریعت میں مردوں کو مسجد میں باجماعت اور عورتوں کو گھر کے اندرونی حصے میں تنہا نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور مردوں کے لئے بلاعذر جماعت کے چھوڑنے کے متعلق سخت تحدیدات وارد ہوئی ہیں ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جس شخص نے اذان سنی اور پھر بلا کسی معقول عذر کے جماعت میں شریک نہ ہو تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔“ (خواہ وہ تنہا نماز پڑھ لے) (ابن ماجہ: ۵۷) دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سخت لہجے میں ارشاد فرمایا کہ ”لوگ جماعت چھوڑنے سے باز آ جائیں، ورنہ میں ان کے گھر جلانے کا حکم دے دوں گا۔“ (الترغیب: ۱/۱۷۰) ان ارشادات کا حاصل یہی ہے کہ بلاعذر شرعی ترک جماعت تقصیر ثواب کا ذریعہ ہے، اس کے برخلاف باجماعت مسجد میں نماز پڑھنا عظیم الشان ثواب کے حصول کا ذریعہ اور باعث زیادتی درجات ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس گنا بڑھا ہوا ہے۔ (متفق علیہ) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص (کم از کم) چالیس دن مسلسل مجبیراوی کی اہتمام کے ساتھ باجماعت نماز پڑھے تو اس کے لئے

دو پروانے لکھے جاتے ہیں، ایک جہنم سے آزادی کا پروانہ، دوسرے نفاق سے بری ہونے کا۔ (ترمذی: ۵۶/۱) الفرض نماز کی شان باجماعت پڑھنے ہی میں مضمر ہے، تاکہ امت میں اتحاد و اتفاق کا اثر اس عبادت کے ذریعہ پیدا ہو اور انتشار و اختلاف سے حفاظت ہو سکے، لہذا ہر مسلمان کے لئے نماز باجماعت کا اہتمام کرنا لازم ہے اور جس طرح اپنے دنیوی کاروبار و دیگر امور میں اس کے تقاضوں کو یاد رکھا جاتا ہے اس سے کہیں زیادہ آخرت کے تقاضوں کو یاد رکھنا ضروری ہے، تاکہ سعادت ابدی کے مستحق بنیں۔

### نماز کے دنیوی فوائد

نماز دراصل ایک ایسا نظام ہے جو انسان کو اپنی روح سے قریب کر دیتا ہے، کیونکہ نماز کی ہر تحریک اللہ تعالیٰ کی تحریک پر مبنی ہوتی ہے اور خود اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی کرتا ہے، اللہ جل شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق نماز ہمارے تمام دکھوں کا علاج ہمارے تمام زخموں کو مندمل کرنے کا مرہم اور درد کا مداوا ہے، سوال یہ ہے کہ جب تمام دکھوں کا علاج ہے تو کیا یہ خصوصیت صرف آخرت کے لئے ہے یا دنیا کے لئے بھی؟ یقیناً نماز دنیا و آخرت دونوں کے دکھوں کا علاج ہے بشرطیکہ تمام آداب و مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے ادا کی جائے، نماز کی صورت ظاہری اور نفسیاتی گہرائی پر غور کرنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم نماز اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ادا کریں تو اس کے برکات و انعامات سے بہرہ یاب ہو سکتے ہیں، چنانچہ نماز کے بعض دنیوی فوائد کے سلسلے میں حکماء اور اطباء کا کہنا ہے کہ ”نماز ایک بہترین ورزش ہے، سستی کا بلی اور بے عملی کے اس دور میں صرف نماز ہی ایک ایسی ورزش ہے جو دنیا کے تمام دکھوں کا مداوا بن سکتی ہے، نماز کی ورزش جہاں بیرونی اعضاء کی خوشنمائی و خوبصورتی کا ذریعہ ہے وہیں اندرونی اعضاء، مثلاً: دل، گردے، جگر، پھیپھڑے، دماغ، آنتیں، معدہ، ریڑھ کی ہڈی، گردن، سیہ اور تمام قسم کے گلینڈز کی نشوونما کرتی ہے، نماز کی ورزش سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے، آدی غیر معمولی طاقت کا مالک بن جاتا ہے اور چہرے کے نقش و نگار خوبصورت اور حسین نظر آتے ہیں۔“ (بحوالہ سنہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور جدید سائنس ۱/۴۴) ایک پاکستانی فزیو تھراپسٹ ڈاکٹر ماجد زمان عثمانی نے نماز کی ورزش سے درست ہونے والی بیماریوں کی فہرست بتائی ہے جو اس امراض پر مشتمل ہے:

- (۱) دماغی امراض Mental Diseases
- (۲) اعصابی امراض Nerve Diseases

(۳) نفسیاتی امراض Psychics Diseases

(۴) بے سکونی، ڈپریشن اور بے چینی کے

امراض Restlessness

Depression And Anxiety

(۵) دل کی امراض Heart Deseases

(۶) جوڑوں کے امراض Arthritts

(۷) یورک ایسڈ سے پیدا ہونے والے

امراض Diseases Due to

Uric Acid

(۸) معدے اور السر کی شکایات

Stomach Ulcer

(۹) شوگر اور اس کے مابعد اثرات

Suger and Its After

Effects

(۱۰) آنکھوں اور گلے کے امراض Eye

and ENT Diseases (بحوالہ:

سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۲۸)

نماز کے ان فوائد کا ماہر اطباء نے بعد

مشاہدہ و تجربہ کے اعتراف بھی کیا ہے، یہاں

ان فوائد کا ذکر کرنے کا مقصد صرف اتنا ہی

ہے کہ ہم نماز کے دنیوی و اخروی فوائد پر ہی

غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک

عبادت (نماز) میں اس قدر فوائد و انعامات

کے ذخائر و ولایت فرمادیے ہیں دیگر عبادات

کا تو پوچھنا ہی کیا، یہاں یہ لحاظ ذہن نشین

رہے کہ نماز کے جن فوائد کا اوپر ذکر ہوا وہ

صرف اس کی ظاہری صورت کی اعتبار سے

ہیں اور نہ تو اس کے مقدمہ (وضو) اور شرائط،

فرائض، واجبات، مستحبات، مکروہات و

مفسدات وغیرہ اور اوقات نماز کے متعلقین

بھی بے شمار دنیوی فوائد بیان کئے گئے ہیں،

اس لئے ضروری ہے کہ ہم ان انعامات

اخروی اور فوائد دنیوی کو سامنے رکھتے ہوئے

نماز کا خاص اہتمام کریں، اس میں ذرہ برابر

بھی کوتاہی اور تساہل نہ کریں۔

### ہمارا طرز عمل

ایک طرف نماز کے متعلق شریعت کی

اس قدر تاکیدات اور اس کے دنیوی و اخروی

فوائد ہیں اور دوسری طرف ہمارا اپنا طرز عمل

ہے، آج نہایت انوس کے ساتھ کہنا پڑتا

ہے کہ بلا مبالغہ امت کا ستر اسی فیصد طبقہ نماز

سے غافل ہے، جمعہ، رمضان، عیدین اور

مخصوص راتوں کے علاوہ عام نمازوں میں

مسجدیں خالی نظر آتی ہیں، بڑے بڑے عقلمند

اور دانشور کہلائے جانے والے لوگ نماز کے

اہتمام سے کوسوں دور ہیں، بہت سوں کا

مزان یہ ہو گیا ہے کہ بس ہفتہ میں جمعہ کی نماز

پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ پورے ہفتے کی ذمے

داری ادا ہو گئی اور رمضان المبارک کا اہتمام

کر کے یہ خیال کرتے ہیں کہ پورے سال

فرصت ہوگی۔ (نعوذ باللہ)

آج ہماری نمازیں جائدار کیوں نہیں

ہیں، یہی چار سببے اور دو رکعتیں ہی تو

تھیں جن سے صحابہ کرام اولیائے عظام نے

کائنات کا نظام پلٹ دیا تھا، اپنی تمام

حاجتوں کو بروقت پورا کر لیا تھا، آن کی

آن میں بڑے بڑے مسئلے بھی حل کر لئے

تھے، لیکن ہم اپنی پوری زندگی کی نمازوں

سے ایک چھوٹا مسئلہ بھی ختم نہیں کر سکتے،

حقیقت یہ ہے کہ اسلاف کی نمازیں حقیقت

سے لبریز تھیں، انہوں نے لذت نماز اور

حلاوت عبادت سے آشا ہو کر اپنی نمازوں

کو حقیقی اور مطلوبہ نماز بنا لیا تھا اور ہم نے

اس مقدس عبادت کو ایک رکھی چیز بنا لیا ہے،

ظاہری صورت تو وہی ہے مگر حقیقت سے

کوسوں دور ہے، اسی لئے ہماری نمازیں

بے اثر ہو گئی ہیں، آج معاشرہ میں بے دینی

کی فضا جو روز افزوں ہے اور ہر صبح ایک نیا

فتنہ نمودار ہو رہا ہے وہ کبھی بھی صحیح معنی میں

دیندار نہیں ہو سکتا، اس لئے امت مسلمہ کا

فریضہ ہے کہ نماز کو اپنی شناخت سمجھے، اسے

اپنی علامت بنائے، اپنی دنیوی عزت و

رفعت عظمت و شوکت کا وسیلہ جانے اور

آخرت کی نجات کا ذریعہ مانے تب ہی

کامیابیوں کی حقیقی معراج نصیب ہو سکتی

ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ظاہر معراج تو ملاء علی کی سیر، جنت و جہنم

کا مشاہدہ، دیدار الہی سے بہرہ یابی ہے اور

مومنین کی روحانی معراج نماز ہے۔

الصلوة مغزاج المؤمنین۔

○○○

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

نے اس بات کو آزادی اظہار  
(Freedom of

Expression) کا مسئلہ ہٹالیا ہے کہ

کوئی شخص اگر چاہے تو اللہ کے کسی رسول کی  
شان میں گستاخی کر دے۔ آزادی اظہار

ایک بڑی قدر ہے اور اسلام اس کو اہل  
مغرب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے لیکن اس

بات کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ انسان کی  
آزادی کی حدود وہاں ختم ہو جاتی ہیں جہاں

کسی دوسرے انسان کی آزادی کی حدود  
شروع ہوتی ہیں۔ علمی گفتگو اور سوال کرنے

میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن دوسرے کے  
مذہب اور مذہبی شخصیات کے بارے میں

گستاخانہ رویہ اختیار کرنا ایسا معاملہ ہے  
جہاں ان کی آزادی اظہار دوسرے کی

آزادی میں دخل انداز ہو جاتی ہے۔ یہ رویہ  
سراسر انسانیت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے

خلاف ہے۔ ہمیں احسن انداز میں اپنا نقطہ  
نظر دنیا کے سامنے واضح کر دینا چاہئے اور

اہل مغرب کو اس بات کی دعوت دینا چاہئے  
کہ ان کی جانب سے ایسا رویہ اختیار کرنا  
سراسر بدتہذیبی اور بد اخلاقی ہے جس کی  
اصلاح ان پر لازم ہے۔ اس کے ساتھ  
ساتھ ہمیں بھی یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ہم  
دوسرے مذاہب کی محترم شخصیات کے  
بارے میں احترام کا رویہ اختیار کریں تاکہ  
امن اور سکون کے ماحول میں مثبت مکالمے  
کا عمل جاری رہ سکے۔ ●●

کے استعمال سے روک دیا اور انہیں حکم دیا  
کہ وہ ایسے موقع پر ”انظرنا“ یعنی ہم پر نظر  
فرمائیے کہہ کر آپ کی توجہ حاصل کریں۔  
ہونا تو یہ چاہئے کہ وہ بات کو پہلے ہی توجہ  
سے سنیں تاکہ اس کی نوبت نہ آئے۔

اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا  
حصہ بنا دیا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ  
تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

عزت و حرمت کے معاملے کو کتنی اہمیت دیتا  
ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

جو حیثیت اللہ کے نزدیک ہے، اس کو مد نظر  
رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے آپ کی ذات

والا صفات کا انتہائی درجے میں ادب و  
احترام کیا جائے اور کوئی ایسا لفظ نہ بولا

جائے اور نہ ہی ایسا عمل کیا جائے جس سے  
آپ کی شان میں ادنیٰ درجے میں بھی

گستاخی کا کوئی شائبہ ہو۔ یہی رویہ دیگر  
انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے  
میں اختیار کرنا چاہئے۔  
موجودہ دور میں اہل مغرب کے ہاں  
افراط و تفریط کے جو رویے پیدا ہوئے ہیں،  
ان میں سے ایک معاملہ یہ بھی ہے۔ انہوں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا  
رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا  
وَاللَّكْفَرِيسَ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔  
(البقرة: 104)

اے ایمان والو! ”راعنا“ نہ کہا کرو بلکہ  
”انظرنا“ کہا کرو اور توجہ سے بات کو سنا کرو۔ یہ  
انکار کرنے والے تو دردناک سزائے مستحق ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے  
بنفص رکھنے والے بعض یہودی اور منافقین

آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ظاہری  
احترام کو برقرار رکھتے ہوئے بھی ان کی یہ

کوشش ہوا کرتی کہ وہ کسی طرح آپ کی  
شان میں بے ادبی کر سکیں۔

”راعنا“ ایک ذومعنی لفظ تھا۔ صحابہ  
کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم کی گفتگو سنتے ہوئے اگر کبھی کوئی بات

سمجھ نہ پاتے تو آپ سے رعایت کی  
درخواست کرتے ہوئے یہ لفظ بول کر بات  
کو دوہرانے کے لئے کہتے۔ اس لفظ کو ذرا  
چمکا کر بولا جائے تو یہ ایک اہانت آمیز لفظ  
بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس لفظ

# منہ سے والدین کی توہین کا ایک لفظ نہ نکالنا

انسان کو چڑچڑاہنا دیتا ہے اور بڑھاپے کے آخری دور میں جب وہ عقل و فہم بھی جواب دینے لگتی ہے تو ان کی خواہشات اور مطالبات ایسے ہونے لگتے ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم نے ان حالات میں والدین کی دل جوئی اور راحت انسانی کے احکام کے ساتھ انسان کو ان کا زمانہ طفولیت یاد دلایا کہ کبھی تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے، جس قدر وہ آج کل تمہارے محتاج ہیں، جس طرح انہوں نے تمہاری خاطر اپنی راحت کو قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا تھا، اب جب کہ ان پر محتاجی کا وقت آ گیا ہے تو ان کے سابق احسان کا بدلہ ادا کرو۔ آیت میں اسی طرف اشارہ کیا گیا اور چند تاکیدیں احکام دیئے گئے۔ اول یہ کہ والدین کو آف بھی نہ کہیں، آف سے مراد یہاں ایسا کلمہ ہے جس سے انہیں ناگواری کا احساس ہو، یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبی سانس لینا جن سے ان کو ناگوار ہو وہ بھی لفظ آف میں داخل ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ ایذا رسانی میں آف سے کم درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی ذکر کیا جاتا، حاصل یہ ہے کہ جس چیز سے ماں باپ کو کم سے کم بھی اذیت پہنچے وہ بھی ممنوع ہے۔ دوسرا حکم جھڑکنے اور ڈانٹنے کے ہیں۔ اس کا سبب ایذا رسانی ہونا ظاہر ہے اور

کہ حقوق العباد میں سب سے مقدم والدین کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو انسان کے وجود کا ذریعہ بنایا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اپنے والدین کو محبت کی نگاہ سے دیکھے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک حج اور عمرہ کے برابر ثواب عطا فرماتے ہیں۔ والدین کی خدمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ والدین کی خدمت ساری عبادتوں پر مقدم ہے۔ والدین کی خدمت و اطاعت کسی زمانے اور کسی عمر کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ ہر حال اور ہر عمر میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک واجب ہے۔ خاص طور پر والدین کے بڑھاپے کا زمانہ جب وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں اور ان کی زندگی اولاد کے رحم و کرم پر رہ جائے، اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ڈراسی بے رخی بھی محسوس ہو تو ان کے دل پر زخم بن جاتا ہے۔ دوسری طرف بڑھاپے سے طبی طور پر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”اگر کھینچ جائیں تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یادوں تو نہ کہہ ان کو (ہوں) اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی“ (بنی اسرائیل: ۲۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے محبوب عمل یہ ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے پھر میں نے پوچھا نماز کے بعد سب سے محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ میں نے پوچھا والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد تیسرے نمبر پر محبوب عمل کون سا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ (صحیح بخاری) والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد پر مقدم رکھا گیا۔ مفسرین نے لکھا ہے

تیسرے حکم میں والدین کے ساتھ گفتگو کے آداب سکھائے کہ ان سے محبت و شفقت کے نرم لہجے میں بات کی جائے۔ حضرت سعید بن مسیبؓ نے فرمایا جس طرح کوئی غلام اپنے سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔

چوتھا حکم جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز و ذلیل آدمی کی صورت میں پیش کرے یعنی والدین کے لئے اپنے بازو و عاجزی اور ذلت کے ساتھ جھکائے رکھے اور والدین کے ساتھ یہ معاملہ صرف دکھاوے کا نہ ہو بلکہ دل سے عزت کے ساتھ ہو۔

پانچواں حکم جس کا حاصل یہ ہے کہ والدین کی پوری راحت و رسانی انسان کے بس کی بات نہیں، راحت و رسانی کی پوری کوشش اور فکر کے ساتھ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کے سب مشکلات کو آسان اور تکلیفوں کو دور فرمائے اور یہ دعا والدین کی وفات کے بعد بھی جاری رہے۔ (معارف القرآن) والدین قدرت الہی کا ایک بیش بہا تحفہ ہیں۔ والدین کی جانب ایک نظر دیکھ لینے سے ایک حج کا ثواب ملتا ہے، والدین کی خدمت کرنا جہاد میں شریک ہونے کے برابر ہے۔ (مسند احمد) والدین کو خوش دیکھ کر اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے، والدین کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ جو اپنے والدین کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں غیر محسوس طریقہ سے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت قرار دیا۔ حضرت انس

رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدائے تعالیٰ اس کی عمر میں برکت دے اور اس کا رزق بڑھائے تو اس کو چاہیے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اپنے رشتہ داروں سے تعلق قائم رکھے، اولاد والدین کی جتنی بھی خدمت کرے ان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو لہہ ہے پر بیٹھا کر طواف کر رہا تھا، اس نے طواف کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں نے ماں کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ تیری ولادت کے وقت جو تکلیف کے لمحات آئے ان میں سے ایک لمحہ کا حق بھی ادا نہ ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر) اولاد کی تربیت اور پرورش میں ماں اور باپ دونوں برابر کے شریک ہیں، اس لئے دونوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔

اگر ماں انتقال کر گئی ہو تو ماں کی بہن (خالہ) کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی رہنمائی کی گئی ہے۔ جہاں ماں باپ کی فرمانبرداری کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، وہیں ماں باپ کی نافرمانی اور ناراضگی کی سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تین اشخاص کے کوئی فرض و نفل قبول نہیں فرمائے گا۔ (۱) والدین کا نافرمان۔ (۲) صدقہ دے کر احسان جتلانے والا۔ (۳) تقدیر الہی

کا انکار کرنے والا۔ والدین کی خدمت ساری عبادتوں پر مقدم ہے۔ قرآن کریم میں والدین کی خدمت کے بارے میں ایک دو نہیں بلکہ متعدد آیات نازل فرمائی ہیں۔ سورہ عنکبوت میں ارشاد ربانی ہے: ”ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھائی کرنے کی نصیحت کی۔“ سورہ اسراء میں ارشاد ہے: ”یہ کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اگر تمہاری زندگی میں تمہارے والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو پھر آف مت کہنا اور ان سے جھڑک کر بات نہ کرنا، ہمیشہ عزت سے بات کرنا اور ان کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کر کے رکھنا اور یہ دعا کرتے رہنا یا اللہ ان کے اوپر رحمت فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔ (القرآن)

علماء کرام کے چند اقوال بصورت ادب و تعظیم والدین پیش ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔ والدین کی موجودگی میں اپنا فون دور رکھیں۔ ان کی بات توجہ سے سنیں، ان کی رائے کو مقدم رکھیں ان کی گفتگو میں شامل رہیں، ان کو عزت سے دیکھیں، ان کو بری خبر بتانے سے پرہیز کریں، ان کے دوستوں کے بارے میں اچھی باتیں کریں اور ان سے محبت رکھیں، ان کی کبھی ہوئی اچھی باتیں اکثر یاد رکھیں، ان کی عمر کا احترام کریں۔ ماضی کی تلخ یادوں کو ان کے ساتھ شیئر نہ کریں۔ ان کی موجودگی میں کسی دوسری گفتگو سے پرہیز کریں۔ ان کی رائے

اور سوچ سے متعلق حتی الامکان اختلاف نہ کریں۔ ان کے سامنے ادب سے بیٹھیں۔ جب وہ گفتگو کریں تو ان کی بات نہ کاٹیں، ان کے سامنے آف تک بھی نہ کہیں، ان کو کسی بات پر سختی سے جھڑکنا اور ڈانٹنا حرام ہے۔ ان کے سامنے تواضع اور انکساری کے ساتھ رہیں، ان کی دہرائی ہوئی باتوں کو اس طرح سنیں گویا پہلی بار سن رہا ہے، ان کی موجودگی میں اپنے بچوں کو ڈانٹنے اور مارنے سے گریز کریں۔ ان کے حکم اور مشورہ کو قبول کریں، ان کی موجودگی میں صرف انہیں سے رہنمائی لیں، ان کے سامنے اپنی آواز کو ہرگز اونچا نہ کریں۔ ان کے سامنے خود کو بڑا ظاہر نہ کریں، ان کے سامنے بیٹھے ہوئے اپنے پاؤں ان کی طرف نہ بڑھائیں، ان کی طرف پیٹھ کر کے نہ بیٹھیں، کوشش کریں کہ ان کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں۔ ان کی غلطی یا بھول پر کبھی بھی نہ مسکرائیں، ان کی زیارت اور ملاقات برابر کرتے رہیں، ان کو محبت بھرنے ناموں سے پکاریں۔ ان کو ہر چیز پر مقدم کریں اور ترجیح دیں، ان سے پہلے کھانا شروع نہ کریں، ان کے ساتھ چلتے ہوئے ان سے آگے چلنے یا بڑھنے سے پرہیز کریں۔ والدین کرہ ارض پر خزانہ ہیں اس سے پہلے کہ یہ خزانہ دفن ہو جائے اپنے والدین کی قدر کریں۔ ○○

## رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۲۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے پیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔ سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور مٹی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی و کوشش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گزارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

**Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18**

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCB

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتے میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

## اصلاح معاشرہ

# ایک دروسا دل میں اٹھتا ہے

زندگی سے اس قدر بے پرواہ ہو چکی تھی کہ  
دوائی کھانے کے بجائے چپکے سے پھینک  
دیتی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر گھر والے کہنے  
لگے کہ اوپر ہی اثر ہے اس لئے علاج کارخ  
دوسری طرف ہو گیا۔ مگر سب بے سود۔

اس لڑکی کا بھائی کوئی نہیں تھا کہ باپ  
کا سہارا بنتا۔ بڑی دو بہنوں کی شادی ہو چکی  
تھی مگر ان میں سے ایک گھر بیٹھی تھی۔ سب  
سے چھوٹی بہن چھ یا سات سال کی تھی۔

والد کچھ چھوٹا موٹا کام کرتے تھے۔ سات  
آٹھ افراد کا خرچ اٹھانا اور لڑکیوں کی فکر،

زندگی ان کے لیے بھی آسان نہیں  
تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے  
بچپوں کے نام سے بیمہ پالیسیاں  
لے رکھی تھیں کہ رقم ان کے کام  
آئے گی۔ لیکن نہ جانے کیسے اس  
کے دماغ میں یہ بات سا گئی کہ اگر  
میں مر جاؤں تو بیمہ کی جو رقم ملے گی  
وہ دوسری بہنوں کی شادی بیاہ کے  
وقت کام آ جائے گی۔ تنگ دست  
باپ کی کچھ مشکل کم ہو جائے گی۔  
اس نے یہ بات کہی تو کئی بار مگر کسی  
نے اتنی دور تک سوچا بھی نہیں کہ

بعض واقعات ایسے سامنے آ جاتے  
ہیں کہ دل بہت دکھتا ہے۔ جن کے اسباب  
ہماری نادانی اور جن کا انجام کسی کی تباہی ہوتا  
ہے۔ چند روز پہلے پتہ چلا کہ  
ایک لڑکی جس کی عمر ۲۰ سال  
کے قریب تھی کسی پراسرار  
بیماری میں گرفتار ہو کر فوت  
ہو گئی۔ فکر ہوئی کہ آخر ایسا کیا  
ہوا؟ لڑکی نیک تھی، تنگ دستی  
ضرور تھی، مگر گھر کا ماحول ٹھیک  
ٹھاک تھا، پھر ایسی موت کی کیا  
وجہ ہوئی؟ پتہ چلا کہ وہ والد کی  
محدود آمدنی اور ان پر اپنی چار  
بہنوں کے بوجھ سے صدمہ  
میں رہا کرتی تھی، یہاں تک کہ

آخر اس کی حالت دن بدن گرتی گئی۔ ایک دن مقامی  
ڈاکٹروں نے اس کو شہر کے بڑے اسپتال میں لے  
جانے کو کہہ دیا۔ لیکن اسپتال کے راستے میں اس نے دم  
توڑ دیا۔ موت سے پہلے ماں کو تسلی دی ماں میرا غم نہ کر۔  
میرے مرنے پر بیمہ کا جو پیسہ ملے گا، وہ ابو کے کام آئے  
گا اور بہنوں کی شادی میں آسانی ہو جائے گی۔ یہ تھے  
اس کے آخری الفاظ جس نے زندگی سے اس کی رغبت  
ختم ہو جانے کا راز کھول دیا۔ اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی  
وہ ۲۰ سالہ بیٹی اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

اس جوان جان کی جینے کی خواہش ہی مرجھا  
گئی۔ ایک بار اس نے اپنی سہیلی سے کہا تھا  
کہ میں جینا نہیں چاہتی۔ لیکن سہیلی نے اس  
پر کوئی خاص توجہ نہیں دی اور پیار سے ڈانٹ  
دیا کہ تو یہ کیسی باتیں کر رہی ہے۔

اس کی اس سوچ کا نتیجہ کیا نکلے گا۔  
آخر اس کی حالت دن بدن گرتی  
گئی۔ ایک دن مقامی ڈاکٹروں نے اس کو  
شہر کے بڑے اسپتال میں لے جانے کو کہہ  
دیا۔ لیکن اسپتال کے راستے میں اس نے

دم توڑ دیا۔ موت سے پہلے ماں کو تسلی دی  
ماں میرا غم نہ کر۔ میرے مرنے پر بیمہ کا جو  
پیسہ ملے گا، وہ ابو کے کام آئے گا اور بہنوں  
کی شادی میں آسانی ہو جائے گی۔ یہ تھے  
اس کے آخری الفاظ جس نے زندگی سے  
اس کی رغبت ختم ہو جانے کا راز کھول دیا۔  
اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی وہ ۲۰ سالہ بیٹی  
اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

میں عرصہ سے سوچتی رہی کہ اس درد  
بھری کہانی کو کہاں سے شروع کروں اور  
کس طرح اس میں آپ کو شریک کروں۔  
ہم جینز و تنگ اور اچھی شادی کی ناقص طلب  
کے کیسے نازک دور سے گزر رہے ہیں کہ  
بیٹیوں کی شادی، سسرال میں ان کو سکون مل  
جانے کی فکر تلے ماں باپ دبے چلے جاتے  
ہیں۔ ان کی ایسی کیفیت، ایسی مجبوری جو  
ایک حساس بیٹی کو اپنی زندگی سے اس قدر  
بیزار کر دیتی ہے کہ وہ اپنے علاج پر دھیان  
دینے کے بجائے اس کو اتنا بڑھ جانے دیتی  
کہ موت کے گود میں سو جائے؟ اس دنیا کی  
چکا چونڈھ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی کچھ  
زیادہ کرنے حرص ہمیں بے حس، بے  
غیرت، بے دین اور دل و دماغ اور آنکھوں  
سے اندھا کر رہی ہے۔

بڑے اس رویہ میں بہہ جاتے ہیں کہ  
شادی میں اتنا خرچ کرنا ہی پڑے گا ورنہ  
برادری کیا کہے گی؟ بس گھریا دوکان کو ہی تو  
رہن رکھنا ہوگا۔ رشتے اچھے نہیں ملتے۔

نصیب سے اچھا لڑکا مل گیا، سب برداشت  
کر لیں گے۔ اور اگر لڑکی کو پسند کر لیتے  
ہیں، بشرطیکہ بائیک مل جائے۔ یا اور کچھ۔  
ساتھ میں اچھا کھانا، اچھا شادی گھر اور  
اچھی آؤ بھگت کی بھی فرمائشیں کم نہیں  
ہوتیں۔ اگر یہ دکھاوہ نہ ہو اور نکاح سنت  
طریقہ سے انجام پا جائے تو پھر نہ تو  
لڑکیوں کی کتنی گنی جائے گی اور نہ لڑکیاں  
گھروں میں بیٹھی بیٹھی عمر دراز ہو جائیں  
گی۔ ہم بھول گئے کہ ہماری پرانی نسلوں  
میں شادیاں کس طرح ہو جاتی تھیں۔ ہاں  
بگڑے ہوئے لوگ اس وقت بھی تھے مگر کم  
آمدنی والوں کو ایسی مشکل نہ ہوتی تھی۔  
یوپی کے مشرقی اضلاع میں اب بھی ایسا ہوتا  
ہے کہ چند افراد لڑکے کے ساتھ محلہ کی مسجد  
میں آگئے۔ نماز کے وقت نکاح ہو گیا، کہیں  
چھوڑے بٹ گئے، کہیں ہٹا شے اور کہیں  
پڑیا میں شکر۔ گھر کے پکے ہوئے کھانے  
سے باہر سے آنے والوں کی خاطر تواضع  
ہو گئی۔ محلے والوں نے کھڑے ہو کر لڑکی کو  
رخصت کر دیا۔ نہ ٹینٹ نہ تنبو اور نہ دھوم  
دھڑکا۔ جا کر تصدیق کر لیجئے کہ ان خواتین  
کی زندگیاں کیسی پرسکون گزرتی تھیں۔

لیکن سنت راستے کو چھوڑ کر جب  
سے ہم دنیا دکھاوے کی ڈگر پر چل پڑے  
اس نے کتنے خاندانوں کو تباہ کیا، کیا کوئی  
گنتی ہے؟ اگر یہی صورت رہی تو آئندہ  
نسلوں کے لئے دشواریاں اور بڑھیں

گیں۔ اور زیادہ خاندان اس تکلیف میں  
گرفتار ہو جائیں گے۔ آئیے مل کر اپنے  
سماج کے مستقبل کو اس تاریکی سے نکال کر  
سنت کی روشنی سے منور کرنے کا عزم  
کریں۔ موجودہ حالات کو سمجھیں اور  
اصلاح کی پہل خود اپنے کو بدلنے سے  
کریں۔ جو واقعہ اوپر لکھا ہے اس کو لکھتے  
ہوئے رنجیدہ ضرور ہوں مگر اچھے کل سے  
مایوس اور ناامید نہیں۔

وجوہات کچھ بھی ہوں، پوری دنیا  
میں مسلمان طرح طرح کی پریشانیوں میں  
گرفتار ہیں۔ نوجوان طرح طرح کی  
زیادتیوں کا شکار ہیں۔ اس میں ایک  
زیادتی شادی کا مناسب وقت پر اور آسانی  
سے نہ ہونا بھی شامل ہے۔ ایسے نوجوان  
اگر مجبور ہو کر گناہ کے راستے پر چل پڑیں تو  
سوچئے خطا کس کی ہے۔ بہر حال وجوہات  
کچھ بھی ہوں، زندگی تنگ اور موت آسان  
ہو رہی ہے۔ مگر اس سب کے باوجود  
قرآن ہمیں تاریک اندھیروں سے نکال  
کر جینا سکھاتا ہے۔ شیطانی کاموں سے  
بچنا اور اچھے کاموں کو ہاتھ میں لینا ہمارا  
مقصد ہونا چاہئے۔ حالانکہ تعلیم کے پھیلاؤ  
بہت ہیں، لیکن سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں  
کا جال نوجوانوں کو کمزور اور کھوکھلا کر رہا  
ہے۔ والدین بھی بچوں کی جائز اور ناجائز  
خواہشوں کے آگے سرخم کر دیتے ہیں۔

(باقی..... صفحہ..... 42..... پر)

# پیامت روایات میں کھونگی

مثال قائم کر گئے۔ ہر چیز میں ترقی کرنے لگے۔ آدمی دنیا کے حکمران بن گئے۔ اللہ کی ملکیت پر اللہ کا حکم چلنے لگا۔ آدمی زمین کو شرک، خرافات، کفر اور بدعتوں سے پاک کیا گیا۔ انسانوں کو انسانوں کے بنائے گئے غلامانہ قوانین اور رسومات سے آزاد کیا گیا۔

پوری دنیا پر اسلام کا رعب و دبدبہ چھا گیا۔ بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں کے ہاتھوں ترغمال بنے مظلوموں کو اسلام کی صورت میں ایک مدد اور نصرت ملنے لگی۔

تاریخ نے ایسے مناظر بھی دیکھے کہ صرف ایک عورت کی پکار پر پوری کی پوری فوجیں تشکیل دی گئی۔ مکتفم خبیذ امة کے مصداق بن کر لوگوں کو برائیوں، کفر اور ظلم کے نظام سے آزادی دلا کر اللہ کا نظام نافذ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ایک ایسا دور بھی آیا کہ براعظم افریقہ میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا۔ علم و حکمت اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ یوں لگا جیسے دنیا صدیوں سے جمود کا شکار تھی اور ایک دم اس میں جان آگئی اور وہ حرکت کرنے لگی۔ حالات و واقعات سے یہی لگ رہا تھا کہ اسلام کی روشنی جس تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے، پوری دنیا پر چھا جائے گی۔ باوجود اس کے درمیان میں بہت سے اونچ نیچ آئے مگر ان سب کے باوجود ریاست اسلامیہ مسلسل رفتار کے ساتھ پھیلتی جا رہی تھی۔ وقت کے سپر طاقتوں کو زیر کر گئی تھی۔ اس وقت کے عیسائی سلطنت روم اور آتش

اطاعت سے خالی تھی۔

مگر پھر اسلام کا آغاز جہالت میں ڈوبی ہوئی اس سرزمین سے ہوتا ہے، لیکن جزیرہ عرب سے۔ اسلام جزیرہ عرب میں ایک نمایاں انقلاب برپا کرتا ہے۔ انسان کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر، ایک اللہ کی غلامی کا تابع بنا دیتا ہے۔ جاہلیت کی رسوم و روایات کو ختم کر کے قرآنی تعلیمات سے روشنی پھیلا دیتا ہے۔ زندگی کے ہر ایک شعبے میں ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ انسان کو ایک پاکیزہ نظام حیات سے نواز دیتا ہے۔ تجارت، سیاست، معیشت، عبادت اور عدالت غرض ہر ہر شے کو بدعت و خرافات سے پاک کر کے سماوی علوم کا تابع بنا دیتا ہے۔ یوں اسلام ایک پاکیزہ معاشرہ تعمیر کر دیتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات ہی تھیں جنہوں نے جاہل اور بے روح عربوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ جنہیں ایک ڈرامائی انداز میں پست ترین سطح سے اونچے مقام تک پہنچا دیا۔ یوں مسلمان ایک امت بن کر ابھر گئے۔ ساری دنیا کے لئے ایک

ایک زمانہ تھا جب سارے عالم پر جہالت اور بے علمی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ہر طرف ظلم کا دور دورہ تھا۔ ناانصافی اپنے عروج پر تھی۔ انسان، انسانوں کے غلام بنے ہوئے تھے۔ انسانی خواہشات کو خدا بنایا گیا تھا۔ لوگ خدا کو بھول گئے تھے۔ اللہ کی حکمرانی کے بجائے، خواہشات و جذبات کی حاکمیت تھی۔ انسانیت زوال کا شکار تھی۔ انسانیت کو مذہب کے نام پر پریشال بنایا جا چکا تھا۔ لوگوں کو ذات پات کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا تھا۔ کئی معاشروں میں عورت کو انسان کیا بلکہ حیوانوں سے بدتر سمجھا جاتا تھا اور اکثر انسانی حقوق سے محروم رکھا گیا تھا۔

دنیا کا ظلم و ضبط، انسانی عقل کے مطابق چل رہا تھا۔ جس کا کوئی مقصد اور نہ ہی کوئی منزل نمایاں تھا۔ خالق کائنات سے مجموعی طور قطع تعلق کی جا چکی تھی۔ ساری نظام زندگی، خالق کائنات کے احکامات کے برعکس چل رہی تھی۔ چاہے وہ عبادات ہو، سیاست ہو، معاشرت ہو، عدالت ہو یا پھر وہ معیشت ہو، غرض ہر چیز سماوی علم کی



# موت کے سامنے کسی کا چارہ نہیں چلتا

حضرت حسن بصری ایک دفعہ روم گئے، اس وقت نوجوان تھے وہاں وزیر سے ملے وزیر اس وقت جانے کے لئے تیار تھا..... کہا کہ مجھے ایک جگہ جانا ہے بادشاہ کی دعوت ہے اگر آپ چلیں تو میں آپ کے لئے بھی سواری تیار کروادوں..... انہوں نے کہا کہ کرا دیجیے تو وہ ساتھ چلے گئے..... اس وزیر نے ان کو ایک جگہ ٹھہرا دیا، آپ وہاں ٹھہر گئے..... وہاں جنگل میں ایک بڑا قیمتی خیمہ لگا ہوا تھا..... دیکھتے ہیں کہ پہلے کچھ مسلح فوج آئی اور خیمے کے ارد گرد چکر لگایا اور کچھ بول کر چلی گئی اس کے بعد بڑے بڑے دانشور آئے وہ بھی اسی طرح چکر لگا کر کچھ کہہ کر چلے گئے پھر بڑے بڑے معالج آئے وہ کچھ کہہ کر چکر لگا کر چلے گئے..... پھر لوٹیاں آئیں ان کے سر پر سونے چاندی ہیرے جواہرات وغیرہ مال و دولت وغیرہ سے بھرا ہوا تھا تھا..... سر پر اٹھائے ہوئے چکر لگا کر وہ بھی چلی گئیں..... پھر بادشاہ آخر میں آئے وہ بھی چکر لگا کر چلے گئے..... حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے اس وزیر سے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے..... تو وزیر نے بتایا کہ یہ جو خیمہ ہے اس کے اندر بادشاہ کا ایک جواں سال لڑکا تھا بہت قابل بڑا ذہین اور بڑا سمجھ دار..... اصل بادشاہ بننے کے لائق تھا..... بادشاہ کو اس پر اعتماد تھا مگر وقت اس کا پورا ہو گیا وہ فوت ہو گیا..... وہ یہاں دفن ہے ہر سال بادشاہ اس طرح آتے ہیں پہلے فوج آتی ہے اور چکر لگاتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ اے شہزادے اگر لڑائی سے یا ہتھیاروں سے ہم موت کو روک سکتے تو روک لیتے..... تیرے پاس نہ آنے دیتے لیکن ہم بے بس ہیں..... موت کے سامنے کسی کا چارہ نہیں چلتا..... پھر دانشور آئے اور کہا کہ اگر حکمت کی باتوں سے ہم موت کو سمجھا کر روک لیتے تو ہم بالکل حاضر تھے..... بادشاہ کے نمک حلال ہیں..... لیکن یہاں موت کے آگے کچھ چارہ نہیں چل سکتا..... پھر معالج آئے کہتے ہیں کہ ہم کسی طرح بھی کوئی کسر نہ رکھتے..... ہمارا تجربہ بھی یہی ہے..... جب موت کا وقت آتا ہے تو طیب کے ذہن میں بھی کچھ نہیں آتا..... ہم نے اپنی بہت کوشش کی لیکن ہم بچا نہیں سکے..... بیماریوں کا علاج ہو سکتا ہے موت کا نہیں..... پھر لوٹیاں آئیں..... انہوں نے کہا کہ اگر مال و دولت سے..... خوب بصورتی سے..... یا ہیرے جواہرات سے موت کو ٹال سکتیں تو ہم ہر طریقے سے حاضر تھیں لیکن موت کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔

پھر بادشاہ اخیر میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے شہزادے تم نے دیکھ لیا کوئی بھی موت کو نہیں ہٹا سکتا..... میں بھی کیا کر سکتا ہوں..... یہ اٹل چیز ہے آنے والی ہے اور آگئی ہے..... اب اللہ تیری اگلے جہاں کی منزلیں آسان کرے..... اب تم کو سلام کر کے اگلے سال حاضر ہوں گے..... تو حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ اس کے بعد میں نے ساری چیزیں (لہو و لعاب کے سامان) چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا اور موت کی تیاری میں لگ گیا..... (یادگار ملاقاتیں، ص: 138)

# جو آپ نے چاہا وہ نہیں ہوا

## تو وہ چاہیے جو ہو رہا ہے

نے شہر کے ایک نامی گرامی تاجر سے مدد طلب کی۔ وہ اُس کے ہاں گئے۔ تاجر نے انہیں بٹھایا۔ خاطر تواضع کی۔ انہوں نے مدعا کہا تو تاجر نے حسب توفیق مدد کی، پھر وہ جیب سے ایک دوا نکال کر لینے لگا۔ ہم نے کہا: ”خیریت گزری؟ کیا بات ہے؟“

تاجر کہنے لگا: ”کچھ نہیں۔ یہ نیند کی گولیاں ہیں۔ دس سال ہو گئے، ان کے بغیر مجھے نیند نہیں آتی۔“

ہم نے اس کے لئے دعا کی اور سلام کر کے نکل آئے۔ راستے میں سڑک کی تعمیر کا کام جاری تھا۔ وہاں انہوں نے بڑے بڑے جزیروں کے ڈریجے سے سرخ لائیس جلا رکھی تھیں۔ جزیروں کا شور دور دور تک سنائی دیتا تھا۔ یہ سب معمول کی بات تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ جزیروں کا غریب چوکیدار اخبار کے چند کاغذ زمین پر بچائے مزے سے سو رہا تھا۔

جی ہاں! زندگی گزارے۔ پریشانی ہونے کا وقت نہیں۔ ضروریات زندگی میں سے جو کچھ مل گیا ہے، اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اُسے استعمال میں لایے اور جو نہیں ملا، اُس پر کڑھنا چھوڑیے۔

اک نظر ادھر بھی! ”ہر وہ چیز جس کی انسان تمنا کرے، ضروری نہیں کہ اُسے مل جائے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہوائیں کشتیوں کی مخالف سمت چلتی ہیں۔“ (جینی)

□□

اب کیا ہو سکتا ہے، یہی تا کہ ”جب کوئی چارہ کار نہیں تو گزارہ کرو۔“ یہ بات میں نے ایک نوجوان سے کہی جو ذیابیطس کا مریض تھا۔ وہ پھینکی چائے پی رہا تھا اور اپنے حال پر افسوس کر رہا تھا۔ میں نے کہا: ”چائے نوشی کے دوران تمہارے افسوس کرنے یا غمزہ ہونے سے اس بیماری کو کوئی فائدہ ہوگا؟“

وہ بولا: ”نہیں“ اس پر میں نے کہا: ”جب کوئی چارہ کار نہیں تو گزارہ کرو۔“ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ دنیا کے سارے معاملات ہماری مرضی کے مطابق ہوں۔ ایسی صورت حال کا سامنا ہمیں اکثر کرنا پڑتا ہے۔

آپ اپنی من پسند ملازمت کے لئے انٹرویو دینے گئے۔ وہاں آپ کو قبول نہیں کیا گیا۔ آپ نے دوسری جگہ رجوع کیا، وہاں آپ کو رد کر دیا گیا، اس پر اہم کامل کیا ہے؟ یہی کہ ”جب کوئی چارہ کار نہیں تو گزارہ کرو۔“

آپ نے کسی لڑکی کو شادی کا پیغام بھیجا۔ لڑکی نے انکار کر دیا اور کسی اور کا پیغام قبول کر لیا۔

بہت سے لوگوں کو ان مسائل کا یہ دو ٹوک حل پسند نہیں آتا۔ وہ ان مسائل کا حل دائمی افسردگی، ہمیشہ کے افسوس اور ہر ایرے غیرے سے شکوہ شکایت کی صورت میں نکالتے ہیں۔ لیکن یہ انداز نہ تو انہیں کھوٹی ہوئی اشیاء دلاتا ہے اور نہ قسمت کے لکھے کو تبدیل کرتا ہے۔

میرے نزدیک زندگی کے ان مسائل کا سوائے اس کے اور کوئی حل نہیں کہ آپ جو چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا تو وہ چاہنے لگ جائیں جو ہو سکتا ہے۔ گلہ مند انسان وہی ہے جو اپنا حراج حالات کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ صورت حال کی تبدیلی پر قادر ہو جائے۔

میرا دوست جو ایک مسجد کی تعمیراتی سرگرمیوں کا نگران تھا، اُس نے مجھے بتایا کہ دوران تعمیر رقم کی کمی کے باعث انہوں نے کسی لڑکی کو شادی کا پیغام بھیجا۔ لڑکی نے انکار کر دیا اور کسی اور کا پیغام قبول کر لیا۔

# شیخ قطب الدین بختیار کاکی

582-633ھ

اور تقویٰ جیسی عظیم بنیادوں پر لوگوں کی تربیت کی، اس کے نتیجے میں ایک ایسی مسلمان نسل وجود میں آئی جو داعی اسلام تھی، جس نے خود کو عبادت اور ریاضت کے لئے کھپا دیا اور اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لئے اور معاشرہ میں شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لئے تن من کی بازی لگادی۔

شیخ قطب الدین کا کئی ماوراء النہر کے حدود میں فرغانہ کے اطراف میں واقع شہر اوش میں پیدا ہوئے، ڈیڑھ سال کی عمر میں ہی ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس لئے وہ اپنے والد کمال الدین کا کاکا، کی سرپرستی اور دست شفقت سے محروم ہو گئے۔ پانچ سال کی عمر میں مدرسہ میں داخل ہوئے اور شیخ ابو حفص معلم اوشی سے پڑھنا شروع کیا، اس کے بعد بغداد گئے، وہاں ان کی فقیہ ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں شیخ معین الدین چشتی سے ملاقات ہو گئی، ایک عرصہ تک انہیں کی صحبت میں رہے۔ چنانچہ شیخ نے ان کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے یہ مقدر کیا تھا کہ وہ اپنے ملک سے ہندوستان ہجرت کریں اور اسی کو اپنا مسکن و مدفن بنائیں چنانچہ انہوں نے اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کو چھوڑ کر ہندوستان کا رخ کیا، ان کی یہ ہجرت فتنہ تاتار کے برپا ہونے کے وقت ہوئی۔ یہ فتنہ عالم اسلام کے ایک سرے سے دوسرے سرے

معرفت اور محبت و عشق کے نور سے منور کر رہے تھے۔ اس وقت شیخ قطب الدین کا کئی دہلی کی سرزمین میں ایمان و معرفت کے بیج بورہے تھے اور لوگوں کے دلوں میں ایمان و معرفت کا نور بھر رہے تھے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو امن و سلامتی کے راستہ سے ہمکنار کر رہے تھے۔ انہوں نے کتنے دلوں کو نور ایمان سے روشن و منور کر دیا اور کتنی عقلوں کو اللہ عزوجل کی معرفت سے صیقل و شفاف کر دیا اور کتنے ہی غافل ذہنوں کو ایمان و یقین کے لئے کھول دیا۔

شیخ قطب الدین کا شمار بہت بڑے خاصان خدا اور اولیاء اللہ میں ہوتا ہے، ان کو شیخ معین الدین چشتی نے محض بیس سال کی چھوٹی سی عمر میں ہی خلعت اجازت سے سرفراز کیا تھا، اس لئے وہ جسم و جان سے خدا تعالیٰ کے لئے نیکو ہو گئے اور انہوں نے اپنی پوری زندگی لوگوں کو دعوت الی اللہ کے لئے وقف کردی۔ ایمان و یقین

سلطان شمس الدین اہمش کے دور حکومت میں سرزمین دہلی شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی تشریف آوری سے فیضیاب ہوئی، یہ شخصیت ایک ایسے مینارہ نور کے مصداق تھی جس سے سالکین گھناٹوپ رات کی تاریکی میں روشنی حاصل کرتے اور راہ یاب ہوتے تھے اور وہ محض عام انسانوں کے لئے ہی روشنی کا مینار نہ تھے، بلکہ ان کی یہ فیض رسانی امراء و سلاطین، بادشاہوں اور فرمانرواؤں تک عام تھی اور بغیر کسی فرق و امتیاز کے ہر خاص و عام اس مشکوٰۃ نبوت سے فیضیاب ہوتا تھا، اس لئے کہ عرصہ تک تاریکی میں رہنے کے بعد ہر کس و ناکس روشنی و تابانی کا بے صبری سے منتظر تھا اور مسلسل تاریکی کی وجہ سے ہر فرد بشر روشنی کی پوچھنے کا شدت سے مشتاق و آرزو مند تھا۔

جس قوت سے شیخ معین الدین چشتی اجیر میں فلاح و ہدایت کی صدائے پر زور بلند کر رہے تھے اور تاریک دلوں کو ایمان و

تک پھیلا ہوا تھا، جس کو سن کر روح کانپ جاتی ہے، جس میں ایک انسانی ریوڑ (بھیڑ) ساری اسلامی آبادی کو نیست و نابود کئے دے رہی تھی اور یہ واقعہ تاریخ انسانی میں ہمیشہ برے الفاظ کے ساتھ یادگار رہے گا۔ شاید یہی فتنہ تاتار ان کی اپنے وطن سے ہجرت کا باعث بنا، ہندوستان میں اس وقت ایک زیرک، مدبر اور خوش خصال نوجوان مسلمان بادشاہ حکمران تھا، اس نے علماء حکماء کی خدمت اور ہندوستان میں دین حنیف کی اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا، یعنی سلطان شمس الدین التمش، لیکن ان کی اس ہجرت کا اصل محرک ہندوستان میں شیخ معین الدین چشتی کی موجودگی تھی، جب وہ دہلی پہنچے تو ان کے علم و معرفت اور زہد و تقویٰ کی علامتوں کی وجہ سے اہالیان دہلی نے ان کی قدر کی اور وہ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کی دہلی میں بڑی پذیرائی ہوئی۔

ان کے مریدین و محبین کی ایک بڑی جماعت ان کے پاس اکٹھی ہوئی اور مسلمانوں کے اندران کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا، یہاں تک کہ اس زمانہ کے ایک ولی کامل اور بزرگ شیخ الاسلام نجم الدین، جو دہلی میں تھے، انہوں نے اس کو محسوس کر لیا اور جب شیخ معین الدین چشتی اپنے شاگرد و مرید شیخ قطب الدین سے ملاقات کے لئے دہلی تشریف

لائے تو شیخ الاسلام نے ان سے شیخ قطب الدین کی شکایت کردی، شیخ معین چشتی نے ان سے دہلی سے اجیر چلے جانے کا مطالبہ کیا۔ جہاں وہ خود لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کے لئے سرگرم تھے اور فرمایا کہ میں آپ کے لئے ایک خادم و فرمانبردار کی حیثیت سے رہوں گا اور ہر آن اور لمحہ آپ کی خدمت کے لئے تیار رہا کروں گا۔

یہ الفاظ اس دور کے علماء و مشائخ کے قافلہ سالار اور عارفین و سالکین کے امام خواجہ اجیری نے اپنے شاگرد و مرید شیخ قطب الدین کے سامنے کہے، نہ انہوں نے اپنے خادمانہ جذبات کے اظہار اور ایک شاگرد رشید کی ان کی خدمت کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کی اور نہ ہی ان کے سامنے اس انکساری سے انہیں ندامت ہوئی، اس لئے کہ وہ احسان و معرفت کے بلند مرتبہ پر فائز تھے اور اس میں ندامت و شرمندگی کی بات ہی کیا تھی ان کے نزدیک ان کا ایک مرید درجات میں کافی آگے بڑھ چکا تھا اور علم و معرفت اور ولایت و سلوک کے میدان میں اس نے اپنی فتح مندی کا علم بلند کر دیا تھا اور ایک منکسر و متواضع شخص ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مجزو و ضعیف کا اظہار کیوں نہ کرتے؟ وہ تو نفس کی پیروی سے بے پروا ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی قبولیت کی میزان میں ہر چیز تو لیتے تھے، انہوں نے شیخ قطب

الدین کی شخصیت میں وہ شاگرد دیکھا تھا۔ جس کو انہوں نے سلوک و معرفت کے مہادی سکھائے تھے اور مسجد ابوالیث سمرقندی میں اپنی بصیرت اور معرفت کی بنیاد پر ان کو اجازت عطا کی تھی اور انہوں نے اس کو اپنے منصب سے بڑھ کر منصب والا پایا تھا اور اس کو دین کی خدمت اور اشاعت اسلام کے لئے ہر طرح سے یکسو اور فارغ پایا تھا، اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے شیخ الاسلام نجم الدین کو تکلیف ہو، وہ عارفین اور سالکین کی جماعت میں ادنیٰ اختلاف بھی پسند نہ کرتے تھے، اس لئے کہ اس کا اثر براہ راست معاشرہ و حالات پر پڑتا ہے۔ شیخ معین الدین نے اس سلسلہ میں فراست سے کام لیا اور شیخ قطب الدین کو شیخ الاسلام کی شکایت سے باخبر نہ ہونے دیا کہ اس سے انہیں تکلیف ہوتی اور وہ رنجیدہ خاطر ہوتے۔

لیکن ذرا شیخ قطب الدین کی ہوشمندی اور سعادت مندی دیکھئے، انہوں نے دہلی سے اجیر طلبی اور ان کی خدمت کے لئے اپنے استاذ کی آمادگی کے بارے میں عرض کیا۔

پیر و مرشد! میری حیثیت تو یہ ہے کہ میں اس بیٹھنا تو درکنار آپ کے سامنے کھڑے ہونے کے لائق بھی نہیں۔ اس پر شیخ معین الدین چشتی نے اجیر چلنے کا حکم دیا، انہوں نے اس حکم کی پیروی کی اور اپنے شیخ کے ساتھ چل پڑے، لیکن صورت حال

یہ تھی کہ ان کے نکلنے ہی دہلی پر قیامت ٹوٹ پڑی، لوگوں کی آہ و بکا کی صدا آسماں ڈھائے دے رہی تھیں اور سر زمین دہلی شیخ قطب الدین کے حجرے سے ماتم کناں تھی، خلق خدا ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی اور انہیں میں ان کا بادشاہ شمس الدین التمش بھی اس درویش کی دہلی واپسی کے لئے آرزو مند تھا، دہلی ان کے غم میں آنسو بہا رہی تھی اور پورا شہر غمزدہ اور فراق یار میں غم وہ ان کے فراق کے صدمہ کو برداشت نہ کر سکیں گے، تو سمجھ گئے کہ یہ خدا کی طرف سے اشارہ ہے، انہوں نے شیخ قطب الدین کو یہ فرماتے ہوئے دہلی واپس کر دیا۔

اے شیخ بختیار! تم جہاں سے آئے ہو وہیں چلے جاؤ اور وہاں رہو، اس لئے کہ تمہارے فراق سے مخلوق کا برا حال ہوا جاتا ہے، اس لئے اتنے دلوں کو اذیت دینا اور ان کو رنجیدہ کرنا میرے لئے جائز نہیں ہے۔ تم واپس چلے جاؤ میں نے دہلی شہر تمہاری ولایت اور خدمت میں دے دیا۔

لوگوں نے، خاص طور سے بادشاہ نے، شیخ معین الدین کے اس احسان کا شکر یہ ادا کیا، شیخ خود اجیر چلے گئے اور شیخ قطب الدین دہلی واپس آئے اور پھر لوگوں کو فیض پہنچانے اور ارشاد و ہدایت اور کلمہ اسلام کو بلند کرنے میں مصروف ہو گئے اور وہاں کے بادشاہ سے بے نیاز ہو کر خدا کی عطا کردہ محبوبیت و مقبولیت کے ساتھ

انہوں نے دین اسلام کی خدمت کی، ہر فردو بشرنے، خواہ امیر ہو یا غریب، سب نے فائدہ اٹھایا اور ان سے دین کی تعلیم حاصل کی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ”اخبار الاخبار“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”انہوں نے پوری زندگی اہتمام دعوت میں بسر کی اور علماء و امراء اور ائمہ کرام ان کے لئے دست بدعا ہوتے تھے، سلطان شمس الدین التمش جس کا اپنے زمانے میں عظیم شہنشاہوں میں شمار ہوتا تھا اور اس نے پورے ہندوستان کو زیر نگین کر لیا تھا، اس کا بھی یہ حال تھا کہ وہ شیخ قطب الدین سے اجازت طلب کرتا اور ان کی درویشانہ خانقاہ میں داخل ہوتا اور ایک متواضع اور فرمانبردار شخص کی طرح ان کو سلام کرتا، ان کے قریب جاتا، خدمت کرتا اور خوب روتا تھا، یہاں تک کہ شیخ اس کے لئے دعا کرتے اور اس کو واپس ہونے کا حکم دیتے اس دور میں جیسا کہ دہلی میں اساتذہ و شیوخ اور علمائے کرام کا جم غفیر تھا، دعوت اسلامی کے میدان میں دعوت و تجدید کا عمل ایک مشکل اور دشوار کام تھا اور تعلیم و تربیت کا عمل تو اس سے بھی مشکل تھا اور بغیر کسی جاہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ منصب کی خواہش اور مال و دولت کی طمع کے، نومولود اسلامی سلطنت کی راہنمائی ایک بڑا کام تھا اور اس میں اس کا لحاظ بھی ضروری تھا کہ علماء و مشائخ کی صفوں میں کوئی اختلاف و

ناگواری نہ واقع ہو، ان کا اتحاد و یکسانیت برقرار رہے اور اس طرح کے کام کے لئے سب کے ساتھ ان سب کو متحد رکھنے کا ارادہ تھا، لیکن خواجہ معین الدین چشتی نے اس کے لئے جو طریق کار اختیار کیا اس نے سب کو متحد رکھا اور سب کے دلوں میں خدمت اسلام کا جذبہ موجزن کر دیا۔ ان کے مرید و خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے بھی اس طریق کار کو اختیار کر کے ہندوستان میں مخلص داعیوں کی ایک پوری جماعت تیار کر دی اور خواجہ معین الدین چشتی کے لگائے ہوئے سلسلے چشتیہ کے بودے کو تادور درخت بنا دیا اور اس کے ذریعہ خاص دینی، دعوتی خدمات انجام پائیں۔“

اور انہوں نے بڑی حد تک دعوت و ارشاد کی ذمہ داریاں پوری کر دیں۔

اگر شیخ قطب الدین کو مہلت ملتی اور اپنے پیر و مرشد کے بعد زیادہ دن زندہ رہتے تو یقیناً ان کے دینی اور دعوتی کارنامے اور ان کے ذریعہ تیار کئے گئے مرشدین اور داعیوں کی مقدار دوگنی ہوتی۔ لیکن پچاس یا اس سے کچھ زیادہ سال کی مختصر مدت میں ان کا انتقال ہو گیا۔

انہوں نے اپنے علمی اور دعوتی کاموں کا جانشین بابا فرید الدین اجودھنی کو مقرر کیا، جنہیں بجا طور پر ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کا مجدد اور تکمیل کرنے والا کہا جاتا ہے۔

□□□

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

# ایک پادری کے اسلام قبول کرنے کی دلچسپ سرگزشت

آہستہ میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے۔ قدرتی طور پر میرے ذہن میں یہ سوال آنے لگا کہ مجھے جب سن نہیں سکتے تو پھر وہ دعاؤں کو قبول کیسے کر سکتے ہیں۔

اسی دوران مجھے کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے میرے والدین نے داخل کرادیا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ کالج میں کچھ ایسے دوستوں سے رابطہ پڑا جو اچھی صلاحیتوں کے مالک تھے اور ان کا رویہ میرے ساتھ مخلصانہ تھا۔ میں اکثر ان سے

اپنی ذہنی پریشانی کا ذکر کیا کرتا تھا اور معلوم کرتا تھا کہ حضرت مسیح اور پاک مریم کے مجھے میری دعاؤں کو سنتے کیوں نہیں ہیں اور میری دعائیں خدا کے یہاں قبول کیوں نہیں ہوتی ہیں۔ میرے یہ دوست مسلمان تھے۔ اکثر مجھ سے ان کا کہنا یہ ہوتا تھا کہ دعائیں خدا قبول کرتا ہے مجھے قبول نہیں کرتے۔ چونکہ مجھے انسانیوں کے ہاتھوں بنائے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ مجھے انسانیوں کی دعاؤں کو سن لیں۔ میرا یہ دوست احمد میرے ساتھ بہت بے تکلف تھا۔ اس نے مجھے سمجھایا کہ عیسائیوں کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ عیسائی پادریوں نے خدا کی مقدس کتاب بائبل کو بھی بدل دیا ہے اور اس میں ایسی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں، جن کی وجہ سے اب بائبل اپنی اصلی شکل و صورت میں موجود نہیں، بلکہ اس میں نہ جانے کتنی تبدیلیاں پیدا کی جا چکی ہیں۔ احمد

مطلب یہ ہے کہ خدا کی ہی عبادت کی جارہی ہے۔ میری والدہ پاک مریم کے مجسمہ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی تھیں اور ان سے دعائیں کرتی تھیں۔ اس کے برخلاف میرے والد حضرت مسیح کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے سامنے دعائیں کرتے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس مجسمہ کے سامنے جا کر میں کھڑا ہو جاؤں اور کس مجسمہ کے سامنے اپنی کامیابی کی دعائیں کروں۔ میری والدہ کا اصرار ہوتا تھا کہ میں پاک مریم کے مجسمہ کے آگے جا کر دعا کروں، جب کہ میرے والد مجھ سے کہا کرتے تھے کہ حضرت مسیح کے مجسمہ کے آگے کھڑے ہو کر جو دعائیں کی جاتی ہیں، وہ قبول ہو جاتی ہیں۔ میں دونوں مجسموں کے آگے جا کر کھڑا ہوتا تھا اور دعائیں کرتا تھا، لیکن یہ عجیب بات تھی کہ ان دونوں مجسموں میں سے کوئی مجسمہ میری دعائیں سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ آہستہ

میرا پورا خاندان عیسائی تھا اور میں اپنے خاندان میں سب سے زیادہ مذہبی ذہنیت رکھتا تھا مجھے چرچ کے اسکول میں یہ تعلیم دی گئی تھی کہ حضرت عیسیٰ اور پاک مریم خدا کے وجود ہی کا حصہ ہیں۔ جب خدا نے اس دنیا کو بنایا اور اس کے نظام کو تنہا طور پر چلانا چاہا، تو کچھ ایسی دشواریاں پیدا ہونے لگیں، جن کی وجہ سے نظام کائنات کو چلانے کے لئے خدا نے ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا، جس سے دنیا کا نظام قاعدہ کے مطابق چلنے لگے اور فرشتے خدا کی تسبیح بیان کرتے رہیں۔ اس نے اپنی حکمت باللہ سے حضرت مسیح اور پاک مریم کو وجود بخشا اور کائنات کے نظام کو چلانے کے لئے انہیں وسیع اختیارات دے دیئے اس لئے عیسائیوں نے اپنا یہ عقیدہ بنالیا کہ خدا ”مسیح“ پاک مریم ایک ہی ہیں۔ تینوں مل کر زمین و آسمان کی طاقت ہیں، ان میں سے اگر کسی ایک کی عبادت کی جائے، تو اس کا

نے مجھے قرآن مجید کے حوالے سے یہ بھی بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں تھے، بلکہ وہ ایک پیغمبر تھے، جن کو خدا نے وحدانیت کا پیغام دے کر اس دنیا میں بھیجا تھا۔ انہوں نے دنیا والوں کو ایک خدا کی عبادت کرنے کا پیغام دیا۔ وہ پاک مریم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے پیدا ہونے کے بعد ہی شیر خواری کے عالم میں ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ یہ ایسی باتیں تھیں، جو میرے لئے انتہائی عجیب و غریب تھیں اور میرے کان ایسی باتوں کو سننے سے نا آشنا تھے۔ میں نے اپنے والدین سے جب ان باتوں کا ذکر کیا تو انہوں نے میرے ذہن سے ان باتوں کو دور کرنے کی کوشش کی اور مجھے عیسائیوں کے تثلیث کے عقیدے پر قائم رہنے کی تاکید کی، لیکن میرا ذہن اپنے والدین کی باتوں سے مطمئن نہیں تھا اور میں اکثر یہی سوچتا تھا کہ مجھے کوئی ایک ایسا معبود ملنا چاہئے جو میری پکار کو سن سکے، میری التجاؤں کو قبول کرے اور میں اندھیرے سے روشنی کی طرف آ جاؤں۔

احمد کے ساتھ کچھ دوسرے مسلم نوجوانوں کے ساتھ بھی میری دوستی کا دائرہ بڑھنے لگا اور تبادلہ خیال سے یہ حقیقت مجھ ظاہر ہونے لگی کہ عیسائی مذہب اب اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے۔ اس مذہب کو ماننے والوں نے اپنی خواہش کے مطابق بہت سی تبدیلیاں پیدا کر لی ہیں، جس کی وجہ سے اب

عیسائی مذہب کے بارے میں یہ کہنا انتہائی مشکل ہے کہ وہ بنیادی طور پر اپنی اساس پر قائم بھی ہے یا نہیں۔ بہت سی چیزیں جو عیسائیت کے ابتدائی دور میں حرام تھیں۔ ان کو عیسائیوں نے اپنے لئے حلال کر لیا ہے۔ آج عیسائی خنزیر کا گوشت بڑی رغبت کے ساتھ کھاتے ہیں، جب کہ پرانے نسخوں میں اس جانور کا گوشت کھانا حرام ہے، لیکن پادریوں نے اپنی مصلحتوں کے مطابق اس ناپاک جانور کو عیسائی دنیا کے لئے حلال قرار دے دیا ہے۔ اسی طرح بعض جنسی رشتے ایسے ہیں، جو پرانی بائبل کی آیتوں کے مطابق حرام ہیں، لیکن موجودہ دور کے پادریوں نے ان کو جائز بنا لیا ہے۔ میں نے جب حقیقت جاننے کے لئے کتابوں کا مطالعہ کیا، تو یہ بات اچھی طرح سمجھ آ گئی کہ عیسائی مذہب اب اپنی اصلی بنیادوں پر قائم نہیں ہے، بلکہ وہ مذہب جس کو حضرت عیسیٰ لے کر آئے تھے، مفقود ہو چکا ہے اور اب چند رسمیں ہی رہ گئیں ہیں، جن کو عیسائیوں نے اپنا مذہب بنا لیا ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ رہ کر مجھے مذہب اسلام کو سمجھنے میں بہت مدد ملی۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہیں اور ان کی عزت و احترام کو اپنے ایمان کا جز قرار دیتے ہیں۔ میرے لئے یہ بات اور بھی زیادہ تعجب خیز رہی کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر متعدد آیات میں موجود ہے۔ صرف

اتنا ہی نہیں، بلکہ پاک مریم کو بھی مسلمان انتہائی عزت و احترام سے یاد کرتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنا کفر مانا جاتا ہے چونکہ مجھے بچپن میں عیسائی پادریوں نے بتایا تھا کہ مسلمان حضرت مسیح اور پاک مریم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، لیکن میرے مسلمان دوستوں نے میرے اس مفاہم کو دور کر دیا اور میں نے سمجھ لیا کہ عیسائی پادری مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لئے اس طرح کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں میرے عیسائی دوست اکثر مجھ سے کہا کرتے تھے کہ عیسائیوں کے سب سے بڑے دشمن مسلمان ہیں، لیکن کالج میں اپنے مسلمان دوستوں سے گفتگو کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ عیسائیوں کے سب سے بڑے دوست مسلمان ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دونوں قومیں اہل کتاب ہیں۔ یہ الگ باع ہے کہ عیسائی قرآن مجید کو خدا کی کتاب نہیں مانتے اور اس کی تکذیب کرتے ہیں، جب کہ مسلمان بائبل کو بھی خدا کی کتاب مانتے ہیں اور ان کا ایمان ہے کہ جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے رسول ہیں۔ بس یہی وہ نکتہ تھا، جس نے میری زندگی کے رخ کو موڑ دیا۔ مسلمانوں سے نفرت کی جگہ میرے دل میں محبت پیدا ہو گئی اور جب میں نے اپنے مسلمان دوستوں کے

ساتھ رہ کر سمجھ لیا کہ خدا ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو میرے دل و دماغ کو اس قدر اطمینان پیدا ہوا کہ تمام عمر میں ایسا اطمینان مجھے نصیب نہیں ہوا تھا۔ چونکہ میں نے ادراک حاصل کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے قرآن مجید کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے میری طبیعت میں بے تابی بڑھنے لگی اور میں نے اپنی دوست احمد سے کہا کہ وہ کسی طرح مجھے قرآن مجید فراہم کر دے تاکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو قرآن مجید کی مدد سے سمجھ سکوں۔ چنانچہ انگریزی ترجمہ کے ساتھ میرے دوست نے قرآن مجید کو فراہم کر دیا اور جب میں نے قرآن مجید کو پڑھنا شروع کیا تو مجھے ایسا لگا کہ میرے وجود کی ساری ناپاکی مجھ سے دور ہونے لگی ہے اور ایک نور ہے، جو میری ذات میں بیوست ہوتا جا رہا ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے مرتبہ سے گرا کر انہیں خدا کا بیٹا بنا دیا اور پاک مریم کو خدا کی ذات کا حصہ مان کر ان کی پرستش کرنے لگے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تمام زندگی خدا کی وحدانیت کا پیغام دینے کے لئے صرف کر دی، لیکن ان کی قوم نے ان کو خدا کا بیٹا بنا دیا اور ان کے مجسمہ کے سامنے دعائیں کرنے لگے۔ قرآن مجید کے مسلسل مطالعہ نے مجھے اسلام سے بہت قریب کر دیا اور جب میں نے اپنے کالج کی تعلیم مکمل کی، تو

میرے پاس بیک وقت دو ڈگریاں تھیں۔ ایک یہ کہ میں مسلمان ہوں اور دوسری یہ کہ میں گریجویٹ ہوں۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کو مشکلات کے دور سے گزرنا پڑتا ہے اور اللہ کی طرف سے ان کے ایمان کی چٹکنی کے لئے امتحان بھی لیا جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ میرے عزیزوں اور خاندان والوں نے مجھ سے ترک تعلق کر لیا۔ میں گھر سے بے گھر ہو گیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد کالج میں بھی مجھے بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اسلام جس دل میں داخل ہو جاتا ہے، وہ شخص کبھی راہ سے بھٹکتا نہیں ہے۔ میں نے جس

کالج سے اپنی تعلیم مکمل کی تھی، وہاں میری شخصیت کا ایک نقش بحیثیت مسلمان قائم ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے مجھے اسی کالج میں پڑھانے کی ملازمت مل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وقت نے ایسی کروٹ لی کہ جو لوگ میری جان کے دشمن ہو گئے تھے، وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگے اور وہ دن بھی آیا، جب میرے والدین نے اسلام قبول کر لیا۔ آج الحمد للہ میرا خاندان مسلمان ہو چکا ہے۔ ہم جب اپنی پچھلی زندگی سے ایمان والی زندگی کا مقابلہ کرتے ہیں، تو اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے ہم اندھیرے میں تھے اور اب اسلام کی روشنی میں زندگی گزار رہے ہیں۔

□□□

## منافق کی خصلتیں

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار عادتیں جس کسی میں ہوں تو وہ خالص منافق ہے اور جس کسی میں ان چاروں میں سے ایک عادت ہو تو وہ (بھی) نفاق ہی ہے۔ جب تک کہ اسے نہ چھوڑ دے۔ (وہ یہ ہیں) جب اسے امین بنایا جائے تو (امانت میں) خیانت کرے۔ بات کرتے وقت جھوٹ بولے۔ اور جب (کسی سے) عہد کرے تو اسے پورا نہ کرے۔ اور جب (کسی سے) لڑے تو کالیوں پر اتر آئے۔“ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”منافق کی علامتیں تین ہیں: جب بات کرے، جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے، اس کے خلاف کرے۔ اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔“ (بخاری، کتاب الایمان: ۲۴)

## سوال و جواب

س: عقیقہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ واجب ہے یا سنت؟

ج: عقیقہ شرعاً مستحب اور مسنون ہے، اس کا ذکر مختلف احادیث میں کیا گیا ہے، چنانچہ بخاری میں حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بچہ کے ساتھ عقیقہ ہونا چاہئے تو اس کی طرف سے جانور ذبح کرو، اور اس کے بال صاف کرو۔

(شامی-۲۳۶/۵، ہندیہ-۳۶۲/۵)

س: عقیقہ کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

ج: جس کے یہاں بچہ کی ولادت ہو اس کے لئے مستحب اور مسنون یہ ہے کہ ساتویں دن اس کا کوئی اچھا سا نام رکھے اور عقیقہ کرے، ساتویں دن کا مطلب یہ ہے کہ اگر جمعہ کو بچہ کی پیدائش ہوئی ہے تو جمعرات کو عقیقہ کرنا مستحب ہوگا، اور رات چونکہ اگلے دن کی تابع ہوتی ہے لہذا جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات میں بچہ پیدا ہوا تو اس کا ساتواں دن جمعرات ہوگا اور اس کی پیدائش جمعہ ہی کی مانی جائے گی۔ بچہ اگر لڑکا ہے تو بہتر یہ ہے کہ دو

بکرے یا بکری ذبح کرے، لیکن اگر دو کی گنجائش نہ ہو تو ایک سے بھی عقیقہ ہو جائے گا۔ اور اگر لڑکی ہے تو ایک بکریا بکری عقیقہ کے لئے کافی ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ لڑکے کے لئے دو بکرے اور لڑکی کے لئے ایک بکرا ہوگا، لیکن ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کا عقیقہ ایک ہی بکرے سے کیا تھا۔ پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ پہلے ذبح کرے یا پہلے بچہ کے بال منڈائے۔ دونوں عمل ایک ساتھ کرنا ضروری نہیں ہے۔ اچھا یہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد بال منڈائے اور بال کے ہم وزن چاندی یا سونا غریبوں پر صدقہ کرے، عقیقہ کے گوشت کو تقسیم کرنا بھی جائز ہے اور گوشت چکوا کر دعوت کرنا بھی جائز ہے۔ (شامی-۲۳۶/۵، ہندیہ-۳۶۲/۳-۱۷۷)

س: اگر کسی بچہ کا انتقال ہو جائے تو کیا اس کا عقیقہ کرنا بھی مستحب ہے؟

ج: مرحوم بچہ کا عقیقہ مستحب نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ-۹۳/۲)

س: کیا بڑے جانوروں میں کئی بچوں کا

عقیقہ ایام قربانی کے علاوہ میں کرانا جائز ہے؟ ج: بکری بکرے سے عقیقہ کرانا افضل ہے، بڑے جانوروں میں ایام قربانی میں حصہ لینا بھی درست ہے، ایام قربانی کے علاوہ میں بھی بڑے جانوروں میں کئی بچوں کا حصہ لینا راجح قول کے اعتبار سے درست ہے، اس صورت میں افضل یہ ہے کہ لڑکی کے لئے ایک حصہ اور لڑکے کے لئے دو حصے مقرر کرے۔ (کتاب المفتی-۳۶۲/۸-۹)

س: قربانی کے جانور کی عمریں شریعت نے مقرر کردی ہیں، کیا عقیقہ میں بھی وہی عمر ہونی چاہئے۔

ج: علامہ شامی نے عقیقہ کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وہی شاة تصلح للاضحیة" (قربانی کے لائق بکرا پر عقیقہ ہونا چاہئے) اس تصریح سے معلوم ہوا کہ جانور کی وہی عمریں ہونی چاہئے جو قربانی کے لئے مقرر کی گئی ہیں نیز جانور کو عیوب سے بھی خالی ہونا چاہئے۔ (شامی-۲۳۶/۵)

س: بچہ کی ولادت کے وقت اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو کیا کوئی عورت اذان و اقامت کہہ سکتی ہے؟

ج: اگر اس احتیاط کے ساتھ عورت اذان دے کہ اس کی آواز نا محرم مردوں تک نہ پہنچے تو جائز ہے۔

(کتاب الفتاویٰ-۹/۶۵، ۶۶، ۶۷)

(باقی..... صفحہ 42..... پر)

## فانی دنیا کی حقیقت

اپنی امت کے لئے مال اور دنیا کی شکل میں جو فتنہ ہو سکتا تھا اس کو بھی بیان فرمادیا۔ لیکن یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ آپ کا یہ فقر مجبوری اور محتاجی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ آپ کا فقر اختیاری تھا۔ آپ کے پاس دولت آتی تھی لیکن محتاجوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ اس دنیا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الدنيا حلوة خضرة، و ان الله مستخلفكم فيها فينظر كيف تعملون، فاتقوا الدنيا و اتقوا النساء فان اول فتنة بنى اسرائيل، كانت فى النساء. (شریف) بیشک دنیا سرسبز و شاداب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس میں تم کو خلیفہ بنایا ہے۔ تاکہ تم کو دیکھے کہ تم کیا کر رہے ہو، دنیا سے بچو اور عورتوں سے احتیاط برتو، بنی اسرائیل کی سب سے پہلی آزمائش کا سبب عورت ہی بنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا کے بارے میں یہ تصور تھا کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور جنت اس کے لئے ہے جس کو دنیا سے کوہ دلچسپی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر کا اصل محور آخرت تھی کیونکہ آخرت آپ کو پسند تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کا بھی یہی مزاج بنایا تھا اور اپنی امت کو بھی دنیا کو ضرورت کے بقدر برہنہ اور اصل فکر آخرت کی کرنے کی ترغیب دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اٹھانے پر قادر ہیں تو اچانک ہمارا فیصلہ رات یادن میں نافذ ہوا، اور ہم نے اس کو بیخ و بن سے یعنی جڑ سے ایسا صاف کیا کہ جیسے کل کچھ تھا ہی نہیں۔ ہم نے اسی طرح (مثالوں) سے اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سوچیں اور فکر کریں۔ دنیاوی زندگی کے یقینی اور بے ثباتی کی اس سے زیادہ بڑی کوئی مثال ہو نہیں سکتی کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی بے ثباتی کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مفسرین نے اس آیت اور اس مثال کی تفسیر میں بڑی مفید اور نفیس گفتگو کی ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی حقیقت سے واقف تھے اور اس کی بے ثباتی سے پوری طرح آگاہ اور باخبر تھے اسی لئے آپ نے ہمیشہ فقر کو ہی ترجیح دی دولت سے پرہیز کیا۔ آپ کے گھر ہفتوں فاقہ رہتا اور چولہا نہیں جلتا۔ بھوکے ہوتے تو صبر کرتے اور آسودہ ہوتے تو شکر ادا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس فانی دنیا کی بے ثباتی اور بے وقفی کو جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حقیقت کو کچھ اس طرح سمجھایا ہے۔  
إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَارْبَتْتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَنَاهَا أَمْزَنًا لَّنَا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَبْ بِالْأَمْسِ كَذَلِكَ نَفْصَلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔ (یونس آیت: 24)

دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے بارش برسائی، اور اس سے زمین کے پودے جس کو انسان اور جانور کھاتے ہیں خوب اگ آئے، یہاں تک کہ جب زمین لہلہانے لگی، اپنے پھول کھلانے لگی، اور سج دھج گئی، اور زمین والے سمجھنے لگے کہ اب وہ اس سے فائدہ

دنیاوی زندگی کی مثال بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: مالی و اللدنیاء، ما انافی الدنیا الا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح و ترکھا۔ (ترمذی شریف) مجھے دنیا سے کیا لینا دینا، میں تو دنیا میں اس طرح ہوں جیسے کوئی مسافر کسی درخت کے نیچے کچھ دیر کے لئے سایہ حاصل کرتا ہے اور پھر اس کو چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں آپ نے دنیا کی حقیقت کو ایک بہترین مثال سے اس طرح واضح فرمادیا کہ ادنیٰ غورو فکر کرنے والا انسان بھی دنیا کی حقیقت اور حیثیت کو سمجھ لے گا۔ ان تفصیلات سے کسی کو

یہ غلط فہمی نہ ہو کہ مال و دولت کمانا، اولاد کے لئے جائز اور حلال روزی کی فکر کرنا اسلام میں ناپسندیدہ عمل ہے ہرگز نہیں اپنے لئے روزی کمانا اولاد کے لئے روزی کی فکر کرنا ان کے لئے دنیاوی ضروریات کا مہیا کرنا یہ بھی عبادت ہے اور اسلام نے جگہ جگہ اس کی تعلیم دی ہے خاص طور پر سورہ جمعہ میں تو جمعہ کی نماز کے بعد رزق کی تلاش میں نکلنے کی تاکید و ترغیب بھی آئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو محنت کی کمائی کرنے کا حکم دیتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تجارت بھی کرتے تھے کاشت بھی کرتے تھے مویشی پالنے کا کام بھی کرتے تھے حکومت و خلافت کی ذمہ

### بقیہ ..... سوال و جواب

س: اگر ایک شخص دوسری جگہ رہتے ہوئے اذان و اقامت ٹیلی فون یا موبائل کے ذریعہ کہے اور فون کو بچہ کے کان میں لگا دیا جائے تو کیا یہ اذان اور اقامت کافی ہے یا دوبارہ اذان و اقامت کہی جائے؟

ج: اصل یہ ہے کہ اذان و اقامت بچہ کے کان میں براہ راست کہی جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے موقع پر براہ راست اذان و اقامت کے کلمات کہے۔ (ابوداؤد) فقہاء نے بچوں کے کان میں اذان و اقامت کے جو آداب بتائے ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ بچہ اذان دینے والے کے سامنے ہو اور اذان دینے والے کا رخ بھی قبلہ کی طرف ہو۔ (تقریرات رافعی، ۱/۳۵) ظاہر ہے فون پر اذان دی جائے تو یہ آداب چھوٹ جائیں گے، بھر بھی فون پر اذان دی جائے اور فون بچہ کے کان میں لگا دیا جائے تو انشاء اللہ اس وقت اذان کا مقصد (یعنی ابتداء میں بچہ کے کان میں اللہ و رسول کا ذکر پہنچنے) حاصل ہو جائے گا۔ (کتاب الفتاویٰ، ۹/۶۵-۶۶)

### بقیہ ..... اصلاح معاشرہ

سوچنے نکاح کی سنت کی ادائیگی کے لئے ہم کیسے مشکل دور سے گزر رہے ہیں کہ بیٹی خود کو باپ پر بوجھ سمجھنے پر مجبور ہوگئی اور اس کے سارے ارمان اس کے ساتھ قبر میں چلے گئے۔ یہ اکلوتا واقعہ نہیں۔ میں ایسی کئی خواتین کو جانتی ہوں جو اسی غم میں جیتے جی درگور ہو گئیں اور مر مر کر جیتی ہیں۔ اس کا کیا علاج ہو؟ سب کو سوچنا ہوگا اور ہمت و حوصلہ سے شادیوں میں دنیاوی دکھاوے کے بجائے سنت کو اپنا نمونہ بنانا ہوگا۔ بگاڑ کی یہ صورت کافی دنوں سے ہمارا پیچھا کر رہی ہے جس کا ثبوت منظر بھوپالی کا یہ شعر ہے جو انہوں نے سنہ ۲۰۰۱ء کے ایک غیر ملکی مشاعرے میں پڑھا تھا اور داد لوٹی تھی۔

روز و شب سسکتی ہیں ان گھروں کی دیواریں  
بیٹیاں بہت دنوں تک جن گھروں میں رہتی ہیں